عطار ہو، رومی ہو، رازی ہو، غزالی ہو
کچھ ہاتھ نہیں آتا بے آہِ سحر گاہی !!

اِدارۂ اشرفیہ عزیزیہ کا ترجمان

ماھنامہ غزالی

جمادی الثانی ۱۴۲۸ھ/جولائی ۲۰۰۷ء

Reg No.P476

جلد: پنجم

شمارہ: 11

فہرست

فی شمارہ: 15/- روپے

سالانہ بدل اشتراک: 180/- روپے

ملنے کا پتہ: پوسٹ آفس بکس نمبر 1015، یونیورسٹی کیمپس، پشاور۔

ای-میل:>>> mahanama_ghazali@yahoo.com

saqipak99@gmail.com

physiologist72@yahoo.com

ویب سائٹ: www.iaa.org.pk

اداریہ

جامعہ حفصہؓ کا واقعہ عبدالعزیز، عبدالرشید برادران کا غیر ذمہ دارانہ فعل تھا جبکہ اس کو سختی سے کچلنا ایک سفاکانہ فیصلہ تھا۔ جن سیاسی پارٹیوں نے اس پر خوشی کا اظہار کیا یہ ان کی مسلمان اور اسلام دشمنی کا مظاہرہ اور ان کے سیاسی مستقبل کے لحاظ سے انتہائی احمقانہ طرز تھا۔ جو دین دار لوگ اس کو روک سکتے تھے ان کا حرکت نہ کرنا مجرمانہ عمل تھا۔ وفاق المدارس والے اپنے بس کی کوشش کر کے سُرخُرو ہو گئے۔

اللہ تعالیٰ کی لاٹھی بے آواز ہے وہاں دیر ہے اندھیر نہیں ہے۔

یا اللہ! اس وقت اُمت کفار کی یلغار کے سامنے بے بس پڑی ہوئی ہے۔ تو ہی اس کا مددگار و حامی ہو جا۔ اور کفر کی طاقت کو اپنی قوتِ قاہرہ سے توڑ دے۔

آمین!

ایڈیٹر

ثاقب علی خان

حدیثِ ناگفتنی (آٹھویں قسط)

میری علمی و مطالعاتی زندگی

(حضرت مولانا محمد اشرف سلیمانی صاحبؒ)

ابو الحسن علی ندوی:

اس سلسلہ میں تیسری شخصیت مخدوم و محترم حضرت مولانا ابو الحسن علی الندوی کی ہے جو اپنی جلالتِ شان، علمی ونظری خدمات، دینی ودعوتی سرگرمیوں کی بناپر عرب وعجم میں یکساں مقبول اور عالمگیر شہرت کے مالک ہیں۔ ان کی کتابیں متعدد مشرقی ومغربی زبانوں میں ترجمہ ہو کر دنیا کے گوشے گوشے میں پھیل چکی ہیں۔ اردو عربی دونوں زبانوں میں یکساں مہارت وعبور ہے[1] عربی میں ایک خاص و متبکر اسلوب نگارش کے مؤجد ہیں۔ یہ طرز تحریر عربی ادب عالیہ کی ایسی صنف ہے جس میں دینی علوم و کمالِ فصاحت و بلاغت وعمدہ زبان میں عذوبت وحلاوت (مٹھاس)، دردوسوز، بلند فکر داعیانہ ولولہ، عاشقانہ جذب ومؤرخانہ تحقیق، عالمانہ احتیاط، حکیمانہ دانش، ادیبانہ رعنائی اور ساحرانہ تاثیر پائی جاتی ہے۔ وہ خود سراپا سوز و درد ہیں، ان کا خمیر محبت ونرمی سے عبارت ہے، علم وتقویٰ نے ان سے فروغ پایا ہے اور جامعیت علوم کی سند اُن سے مزین ہے۔ مشرق ومغرب کے دینی وعصری تقاضوں اور جدید طبقے کے نبض آشنا ہیں۔ ان کی تحریر دلوں کے اندر اُتر جاتی ہے اور بیک وقت دل اور دماغ دونوں کی تسلی کا سامان مہیا

---

[1] علی الطنطاوی نے خوب کہا ہے: ولقد کنت احب حسین اقرأ لابی الحسن فأجد لرجل من الهند هذا الاسلوب البليغ وهذه الاصالة و هذا الطبع ثم زال العجب راظهرالسبب و علمت ان ابا الحسن عربی صريح صحيح النسب كالاسبهانی مؤلف الاغانی والابيسوردی الشاعر و هما قريشان امويان والفير و زآبادی صاحب المقاموس وان خبر عربية متواتر مستفيض فی الهند فمن هنا جاء هذا البيان الذی قل نظير ه فی هذه الايام۔

وقل يشعل غير العربی بعلوم العربية حتی يكون اماما فيها فی اللغة والنهووالصوف والاشتقاق و فی سعة الرواية بل ان اكثر علماء العربية كانوفی الواقع من غير العرب ولكن من النادر ان يكون فيهم من له مثل هذا(الذوق ا لاهابی) الذی تعرفه لابی الحسن فلولم تثبت عربيه بصحة النسب ثثبت باصالة الادب (المسلمون فی الهند ص ۲)

کر دیتی ہے۔

مولانا موصوف کی جس کتاب نے سب سے پہلے گھائل کیا وہ سوانح مولانا الیاسؒ [۱] ہے جو بار بار پڑھی اور ہر مرتبہ قلب وروح نے لطفِ تازہ پایا۔ ایک مردحق آگاہ جس کی زندگی

؎ مسلمانی غمِ دل در خریدن چو سیماب از تپ یاراں تپیدن
حضور ملت از خود درگذشتن دگر بانگ انا الملت کشیدن

(ترجمہ: مسلمانی دل میں ایک غم خریدنا ہے۔ پارے کی طرح دوستوں کے غم بخار سے گرم ہونا ہے۔ ملت کے لئے اپنے سے گزر جانا اور میں ہی ملت ہوں اس کا نعرہ بلند کرنا۔)

کا عملی نمونہ تھی۔ اس کا سراپا وسوانح ایک دل فگار قلم نے آبِ دیدہ وخونِ جگر سے لکھا ہے۔ کمال یہ ہے کہ جذبات کا تلاطم اور جوشِ محبت کتاب کی سنجیدگی، فقاہت اور ہوش پر غالب نہیں آیا۔ سچ ہے

؎ در کفِ جام شریعت ودر کفے سندان عشق
ہر ہوسناکے نداند جام سندان باختن

(ترجمہ: ایک ہاتھ میں شریعت کا جام ہو اور دوسرے ہاتھ میں عشق کا سندان (جس پر لوہار لوہا کوٹتا ہے) ہو ہر ہوسناک ان دونوں کا نباہ نہیں کرسکتا۔)

دوسری کتاب ''تاریخِ دعوت وعزیمت'' ہے جو امت مسلمہ کے لافانی کمالات، جاودانی اثرات، دائمی ثمرات، بارآور مزاج اور زرخیزیٔ زمین کا بین ثبوت ہے۔

؎ جہاں میں اہلِ ایماں صورتِ خورشید جیتے ہیں
ادھر ڈوبے ادھر نکلے، ادھر ڈوبے ادھر نکلے

حضرت علی میاں مدظلہ نے یہ کتاب لکھ کر وقت کی ایک اہم ضرورت کو پورا کر دیا ہے [۲] اسلامی دعوت وعزیمت کے اعاظم الرجال اپنے ماحول میں جن فتن وآزمائشوں سے دوچار ہوئے اور انہوں نے اپنی

---

۱ کتاب کا مقدمہ سیدی الشیخ علامہ سید سلیمان ندوی قدس سرہٗ کے ایجاز رقم کا اعجاز ہے۔

۲ اسلامی دینی علمی ومعاشرتی تاریخ سے ناواقفیت (شاہی خانوادوں کی تاریخ کی سرسری شُد بُد رکھنے والے) اپنی بے بصری سے ''عصر سعادت'' کے بعد اسلام کے زوال کا ایسا نقشہ کھینچتے ہیں (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

خداداد بصیرت و ذہانت، علم و معرفت، للّٰھیت و تقویٰ، جی داری و عزم، قربانی و فتوہ سے تاریخ کے مختلف ادوار میں امت کی شکستہ صفوں کو ثبات بخشا۔ ان کی رہنمائی کی اور اسے ساحلِ مراد تک پہنچایا۔ وہ امت مرحومہ پر اللہ تعالیٰ کا فضل خاص، امت کی فضیلت اور حضرت خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کا مستقل معجزہ ہے۔ اس اعجاز و کمال کا ایک زندہ و پرشور، جاندار و پرسوز محرک عمل و مفید علم مرقع و مجموعہ ایک سید وسعید کے ہاتھوں سے مرتب ہو گیا ہے، جس کے مطالعہ سے امت کی بقا و ترقی کے بارے میں یاس و قنوطیت کے بادل چھٹ جاتے ہیں اور مستقبل میں بھی رحمتِ الٰہیہ سے ایسے نفوس قدسیہ کے پیدا ہونے کی امید پیدا ہو جاتی ہے کہ یہ امت لافانی اور یہ دین ابدی ہے...... **یریدون ان یطفؤ نور اللّٰہ بافواھھم واللّٰہ متم نورہ و لو کرہ الکفرون.**

تیسری کتاب سوانح مولانا عبدالقادر رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ ہے، جس کی ہر سطر کسی سوختہ سامان، ربودہ قلب اور سینہ بریاں کی پکار ہے۔ علی میاں نے اپنے شیخ کو محض ذاکر و شاغل، بزرگ و زاہد مرتاض کی حیثیت سے پیش نہیں کیا، نہ ہی ان کی کراماتِ حسی کا تذکرہ کیا، بلکہ اپنے شیخِ عالی مقام کی بصیرت فن، اعتدال مسلک، وسعت قلب و جامعیت، حقائق بینی و مہارت سلوک اور تربیت کے غوامض و دقیقہ رسی کا بیان اس انداز سے فرمایا ہے کہ دل و دماغ، نفس و روح، سیراب و شاداب ہو جاتے ہیں۔ ان کی زندگی کے واقعات بتاتے ہیں کہ ہمارے بوریا نشین گلیمِ فقر (فقر کی گدڑی) میں کس طرح مختلف طبقات کے دلوں پر شاہی کرتے تھے اور معاشرہ پر اثر انداز ہوتے تھے۔ سچ ہے

نہیں فقر و سلطنت میں کوئی امتیاز ایسا
وہ سپاہ کی تیغ بازی یہ نگاہ کی تیغ بازی

(پچھلے صفحہ سے) گویا (خام بدہن) اسلام کے ان نادان دوستوں کے نزدیک خلافت راشدہ کے بعد اسلام کا اپنا پیام و نظام، چلن و دعوت ختم ہی ہو کر رہ گئی۔ حالانکہ خلافت راشدہ کا اختتام اسلام کے ''معیاری اور نمونہ'' کے دور کا اختتام تھا۔ ملوکیت سے اسلام نہیں مٹا، صرف اسلامی آئین کی ایک دفعہ اپنی جگہ سے ہٹی، جسے مسلمانوں نے آسانی سے برداشت نہیں کیا۔ واقعۂ کربلا، واقعۂ حرہ، نفس ذکیہ کا خروج وغیرہ اس احتجاج کا رنگین ثبوت ہیں۔ امت کا عمومی مزاج باقی رہا اور انشاء اللہ تعالیٰ ہمیشہ رواں دواں رہے گا۔

چوتھی کتاب ''سیرت سید احمد شہیدؒ'' ہے۔امیر المؤمنین فی الہند، مجاہدِ کبیر حضرت سید احمد شہید (رائے بریلوی) ہماری بزم دوشین کے گوہر شب چراغ قافلہ پسین کے سالار، جہاد و حریت کے علمبردار، ناموس شریعت کے پاسبان تھے۔امیر شہید اور امام شہید (سید اسمعیل شہید) کے کارناموں میں صحابہ کی جیداری وفدائیت، اخلاص وتقویٰ اور اتباع شریعت کی جھلک پائی جاتی تھی۔آہ!

درمیان کارزارِ کفرودیں
ترکش مارا خدنگ آخریں

(ترجمہ: کفراوردین کے میدانِ کارزار کے درمیان ہمارے ترکش کا آخری تیر)

انگریز نے اپنے استعماری مفادات کے پیش نظران کی مخالفت کا ایسا صور پھونکا کہ ہماشا یگانے و بیگانے اس کی آواز میں گم ہو گئے اور مظلوم امیر شہید کو (سوائے ایک مخصوص حلقے کے) غیر تو کیا اپنوں نے بھی ہدف ملامت بنایا۔خدا کا شکر ہے کہ انہیں کے خاندان کے ایک فردِ فرید کو اللہ تعالیٰ نے توفیق دی اور انہوں نے امیر شہید اور ان کے رفقاء پر سے گرد وغبار کے توبرتو پردوں کو ہٹایا اوران کی عظمت جس کے سامنے بالاکوٹ کی بلندیاں پست ہیں، دنیا کے سامنے ظاہر ہو گئی۔فقیر کے علم میں سید احمد شہید پر حضرت علی میاں اور مولانا غلام رسول مہر کی کتابوں سے بہتر کتابیں نہیں لکھی گئیں۔

یوں تو مولانا موصوف کی ہر کتاب قابل قدر، مفید اور وقتی تقاضوں کے مطابق ہے۔سب کتابوں پر گفتگو اس مختصر مقالے میں نہیں ہوسکتی تاہم ''مسلم ممالک میں اسلامیت ومغربیت کی کشمکش'' کی افادیت کا تذکرہ کیے بغیر آگے نہیں بڑھ سکتا۔موجودہ دور میں فتنۂ افرنگ نے اپنی ہوش ربائی، مکر وکید...... ظاہری چمک دمک، مادی ترقیات سے جس طرح اسلامی ممالک کو مسحور کیا ہے اور انہیں اپنی راہ پر لگا دیا ہے، مسلمانوں کی تاریخ کا سب سے بڑا المیہ ہے۔اس کتاب میں مختلف رُخوں سے اس کا تجزیہ کیا گیا ہے۔کتاب قابل دید ولائق داد[1] ہے۔اسی طرح ''ماذا خسر العالم بانحطا المسلمین'' کا اردو ترجمہ ''مسلمانوں کے عروج وزوال کا دنیا پر اثر'' اپنی نوع کی منفرد کتاب اور مصنف کی دیدہ ورتاریخ دانی، بصیرت اور فکر دینی کا ثبوت اور

---

[1] برکوچک ہندوپاک کے ضمن میں حضرت سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ کی مساعی کے تذکرہ کا فقدان طبیعت پرگراں ہے، جس کا تذکرہ فقیر نے مصنف کے نام سے کردیا ہے۔

ان کی زندگی کا روشن کارنامہ ہے۔ ۱؎ ’’ردۃ ولا ابا بکر لھا‘‘ (بغاوت جس کے لئے کوئی ابوبکرؓ نہیں ہے) کا ترجمہ ’’موجودہ طوفان اور اس کا مقابلہ‘‘ ایک نہایت اہم رفیع اور پر اثر مقالہ ہے جس کا پڑھنا ہر مسلمان کے لیے ضروری ہے ۲؎۔ اقبال نے اپنی غزل کے بارے میں کہا ہے

میں کہ میری غزل میں ہے آتش رفتہ کا سراغ
میری تمام سرگزشت کھوئے ہوؤں کی جستجو

خونِ جگر سے ہے میری نوا کی پرورش
ہے رگِ ساز میں صاحبِ ساز کا لہو

یہی بات علی میاں کی نثر پر صادق آتی ہے کہ ان کی تحریر میں ان کے دردمند دل کے ٹکڑے اور سوختہ جگر کا لہو شامل ہوتا ہے۔ ان کی ہر کتاب علم وادب کا قیمتی سرمایہ، دین اور دانش کا خزینہ، عشق و عقل کا آمیزہ اور قدیم و جدید کا سنگم ہوتی ہے۔ ان کی تحریر کے یہ جواہر سب سے زیادہ ان کی جدید اور قابل فخر بلکہ شاہکار کتاب ’’الارکان الاربعہ‘‘ میں چمکے کھلے اور نکھرے ہیں۔ یہ کتاب ادب و انشاء ۳؎ کا بہترین نمونہ، حرف و معنی کا اعجاز، وارداتِ قلبی اور دلائل عقلی کا حسین امتزاج اور بیک وقت دل و دماغ کی طمانیت و تسلی کا سامان ہے۔ دیگر مذاہب سے عباداتِ اسلامی کا موازنہ اور اسلامی عبادات کی خوبی و فوقیت پر استدلال ...... جدید و قدیم دونوں طبقات کے لیے برہان ساطع و دلیل قاطع، امید ہے کہ علی میاں مدظلہٗ کی یہ کاوش احیاء العلوم الدّین (امام غزالیؒ) و حجۃ اللہ البالغہ (شاہ ولی اللہؒ) کے پہلو بہ پہلو حیات جاوید پائے گی اور حقانیت دینی کا روشن مینار بنی رہے گی۔

۱؎ کتاب کا انگریزی ترجمہ بھی فقیر کی نظر سے گزرا ہے۔ خوب ہے اور ہر جدید تعلیم یافتہ کے پڑھنے کے لائق ہے۔

۲؎ اس مقالہ پر فقیر کے تاثرات صدقِ جدید لکھنؤ میں پانچ قسطوں میں شائع ہوئے تھے۔

۳؎ تاریخِ ادب کا یہ المیہ ہے کہ بہت سے عظیم ادیب جن کے ادبی شہ پارے زبان وادب کا اعلیٰ نمونہ تھے ’’بزمِ ادب‘‘ اور ’’ادیبوں کی محفل‘‘ میں اس لیے جگہ نہ پا سکے کہ وہ علم و تقویٰ کی مجالس کے بھی رکن رکین تھے اور ’’روایتی ادیبوں‘‘ کا جامہ پہن کر نہیں آئے تھے۔

ابو الحسن علی الندوی مدظلہٗ کی عربی کتابوں میں الارکان الاربعہ اور ...... ''ماذا خسر العالم بانحطاط المسلمین'' کے علاوہ الطریق الی المدینۃ ؎۱، ربّانیہ لا رہبانیہ، روائع اقبال، حدیث مع الغرب، الصراع عن الایمان والمادیۃ، مذاکرات سائح فی الشرق العربی، المسلمون فی الہند، نزہۃ الخواطر (ہشتم) وغیرہ اور دیگر کئی چھوٹے کتابچے نظر سے گذرے، ہر کتاب ان کی تحریر کے خصوصی امتیازات کی حامل، ان کی بے چین روح اور پرسوز دل کی پکار ہے، جس کا بنیادی مقصد احیاء دینی اور ملّت کی نشاۃ الثانیہ ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کی عمر میں برکت دے اور امت کو ان سے استفادہ کی توفیق بخشے۔ (اب حضرت کی وفات ہوگئی ہے اللہ تعالیٰ اُن کے درجات بلند فرمائے۔)

مولانا مناظر احسن گیلانیؒ:

بندہ شملہ میں والد مرحوم کے ساتھ مقیم تھا۔ جون ۱۹۴۱ء کی کوئی تاریخ تھی کہ میرے بڑے بھائی محمد اکرم صاحب اپنے دفتر کی لائبریری سے رسالہ معارف اعظم گڑھ لے کر آئے۔ زندگی میں پہلی مرتبہ اردو کے سب سے وقیع رسالہ پر نگاہ پڑی، کاغذ وطباعت کی نفاست سے نگاہوں نے لذّت پائی۔ رسالہ بار بار پڑھا۔ اتنا متاثر ہوا کہ تقریباً پورا رسالہ بیاض میں نقل کرلیا۔ رسالہ معارف پر تو بعد میں گفتگو ہوگی یہاں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ اس رسالہ میں پہلی مرتبہ متکلم وقت، مناظر اسلام حضرت مولانا مناظر احسن گیلانی رحمۃ اللہ علیہ کے مضمون ''تدوینِ حدیث'' کی ایک قسط نظر سے گذری۔ مولانا کی ہر بات دل میں گھر کرتی چلی گئی، جو مصنف کے اخلاص وصداقت کی دلیل تھی۔

؎۱ لطیفہ: ۱۳۸۲ھ میں اللہ تعالیٰ نے پہلے حج کی سعادت نصیب فرمائی۔ اس سفر میں بحمد اللہ حج سے قبل مدینہ طیبہ میں تقریباً ڈیڑھ ماہ قیام رہا۔ دیگر بزرگوں کے علاوہ حضرت علی میاں کی صحبتوں سے بھی استفادہ کا موقع ملا۔ ان دنوں وہ اپنی کتاب الطریق الی المدینۃ مرتب فرما رہے تھے۔ جب جدہ پہنچا تو دل نے کہا...... لیوپولڈ اسر نے الطریق الی المکہ (Road to Makkah) لکھی۔ علی میاں نے الطریق الی المدینہ مرتب فرمائی۔ تم الطریق الی الجہنم یعنی الطریق الی الغرب لکھ ڈالو کہ حقیقتاً ''تہذیبِ مغرب'' طریق الی الجہنم ہے کہ اس کی بنا ونشونما ''شہوات'' پر کلیۃً مبنی ہے اور حدیث پاک میں وارد ہے حُفَّتِ النَّارُ بِالشَّھَوَاتِ (جہنم شہوات سے ڈھکی ہوئی ہے) یعنی جہنم میں دخول شہوات کی بنا پر ہے۔ اس خیال کا آنا تھا کہ مغربی تہذیب وتمدن اپنے تمام بے خدا و بے حیاء مناظر کے ساتھ نگاہوں کے سامنے آگیا۔

؎　بیکاری وعریانی و مے خواری وافلاس　　کیا کم ہیں فرنگی مدنیت کے فتوحات

ادھر کہتا گیا وہ ادھر آتا گیا دل میں
اثر یہ ہو نہیں سکتا کبھی دعویٔ باطل میں

وہ پہلا دن تھا کہ مولانا گیلانی کی تحریر کا اشتیاق پیدا ہوا۔ پھر ان کی ہر تحریر جہاں بھی میسر آئی شوق و ذوق سے پڑھتا رہا۔ مولانا کا میلان علم و ذوق افادہ اپنی تحریر میں رسمی حدود و قیودِ تصنیف کا پابند نہ تھا۔ بقول اقبال

گفتار کے اسلوب پہ قابو نہیں رہتا
جب روح کے اندر متلاطم ہوں خیالات

ان کی افتادِ طبع قاری کے سامنے بیک وقت مختلف النوع علوم و مسائل، رموز و دقائق، نکات و حقائق کو پیش کرتی چلی جاتی ہیں۔ گویا ایک مخلص و شفیق معلم کی طرح اپنے علم کے بحر زخار سے قاری کی تشنگی کو ایک ہی بار بجھا دینا چاہتے ہیں اور اسے وہ سب کچھ دکھا دینا چاہتے ہیں جو ان کی بصیر نگاہ کے سامنے ہے اور اسے وہ ہر بات بتا دینا چاہتے ہیں جسے وہ جانتے ہیں، اس بارے میں ان کے ہاں صبر و امساک، تاخیر دہش بھی گناہ معلوم ہوتی ہے۔ اس لیے ان کی تحریر کی سلوٹوں میں بھی ایسے علمی نکات مل جاتے ہیں جن تک عام رسائی مشکل ہے۔ ان کی ہر بات ان کی وسعت مطالعہ، عمیق علم، دقیقہ رسی، حقائق بینی، بصیرت دینی، ژرف نگاہی پر دلالت کرتی ہے۔ اسلوب بیان میں اطناب کے بادشاہ ہیں۔ افادہ کا دریا ہر وقت متلاطم رہتا ہے اور سیلِ معانی اپنی روانی میں موتی بکھیرتا جاتا ہے۔ بقول اقبال

تھا ضبط بہت مشکل اس سیل معانی کا کہہ ڈالے قلندر نے اسرارِ کتاب آخر

مولانا گیلانی کی کتابوں میں النبی الخاتم ، تدوینِ حدیث ، اسلامی معاشیات، مقالات احسانی، ہندوستان میں مسلمانوں کا نظام تعلیم و تربیت، امام ابوحنیفہ کی سیاسی زندگی، سوانح قاسمی خاصہ کی کتابیں ہیں۔ مولانا گیلانی کے جو مقالات مختلف رسائل میں چھپتے رہے اگر وہ یکجا مرتب ہو جاتے تو ایک مفید علمی خدمت ہوتی۔ مولانا گیلانی طرز قدیم کے پروردہ اور جدید تقاضوں سے آشنا تھے، اس لیے ان کی تحریر قدیم و جدید دونوں طبقات کے لیے مفید ہے۔ بہر حال مولانا گیلانی نے جو ورثۂ تصانیف چھوڑا ہے وہ ملّت کا قیمتی سرمایہ ہے جس سے کوئی شخص مستغنی نہیں رہ سکتا۔ (جاری ہے)

بیان

(حضرت ڈاکٹر فدا محمد صاحب مدظلہٗ)

خطبہ ماثورہ:

یایھا الذین امنو استعینو بالصبر و الصلوۃ ط ان اللہ مع الصبرین 0 و لا تقولو لمنُ یقتل فی سبیل اللہ اموات ط بل احیاء و الکن لا تشعرون 0 ولنبلونکم بشیءٍ من الُخوف و الُجوع ونقصٍ من الاموال والانفس والثمرٰت ط وبشر الصٰبرین 0 الذین اذا اصابتھم مصیبۃ لا قالو انا للہ و انا الیہ رجعون 0 اولئک علیھم صلوت من ربھم و رحمۃ قف و اولئک ھم المھتدون 0 ان الصفا والمروۃ من شعائر اللہ ج

ترجمہ: اے مسلمانو مدد لو صبر اور نماز سے، بے شک اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔ اور نہ کہو ان کو جو مارے گئے خدا کی راہ میں کہ مردے ہیں، بلکہ وہ زندہ ہیں لیکن تم کو خبر نہیں۔ اور البتہ ہم آزمائیں گے تم کو تھوڑے سے ڈر سے اور بھوک سے اور نقصان سے مالوں کے اور جانوں کے اور میووں کے، اور خوشخبری دے اُن صبر کرنے والوں کو، کہ جب پہنچے ان کو کچھ مصیبت تو کہیں ہم تو اللہ ہی کا مال ہیں اور ہم اسی کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں۔ ایسے ہی لوگوں پر عنایتیں ہیں اپنے ربّ کی اور مہربانی، اور وہی ہیں سیدھی راہ پر۔ بیشک صفا اور مروہ نشانیوں میں سے ہیں اللہ کی۔ (تفسیرِ عثمانی)

یہ آیتیں میں نے پڑھ لیں۔ اس میں فرمایا گیا ہے کہ اے ایمان والوں اللہ تعالیٰ کی مدد حاصل کرو صبر کے ساتھ اور نماز کے ساتھ اور اس بات سے آگاہ ہو جاؤ کہ یقیناً اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔ اللہ تعالیٰ کی معیت اور اس کی دوستی کس کو حاصل ہوگی؟ جو صبر کرے اور نماز پڑھے۔ اللہ تعالیٰ کا ساتھ کس کو حاصل ہے جو صبر کرے اور نماز پڑھے۔ اور اس کے بعد آگے صبر والی آیتوں کے بعد دوسری آیت آئی **و من یقتل فی سبیل اللہ اموات** جہاد کی آیت آ گئی۔ تو صبر کا سب سے مہم مظاہرہ میدانِ جنگ میں ہوتا ہے جب آدمی اپنی جان دینے کے لیے تیار ہو جاتا ہے، یہ سب سے آخری درجہ ہے صبر کا۔ لہٰذا صبر کے مضمون کے ضمن میں ہی یہ بات آ رہی ہے۔ **و لا تقولو لمن یقتل فی سبیل اللہ اموات** جو اللہ کے راستے میں قتل کر دیے جائیں اُنھیں مردہ نہ کہو۔ **بل احیاء** بلکہ وہ زندہ ہیں۔ **ولکن لا تشعرون**۔ لیکن تم اُن کے بارے میں جانتے نہیں۔ فرمایا **و لنبلونکم**

بشیء من الخوف ۔ہم کچھ نہ کچھ تمھاری آزمائش کریں گے خوف، بھوک، مال میں کمی، جان میں کمی، میووں ،باغات میں کمی، ان چیزوں سے ہم تمھاری آزمائش کریں گے۔ تکلیفیں آئیں گی، خوف، بھوک، مال اسباب میں کمی، جان کے خطرات کی آزمائشیں، زندگی میں چلتی رہیں گی۔اوران آزمائشوں کے دوران جن آدمیوں نے صبر کا مظاہرہ کیا،ان کے بارے میں پہلا وعدہ ہے معیت،اللہ تعالیٰ کا ساتھ ہونا۔اوردوسرا وعدہ ہے **وبشر الصبٰرین** بشارت دیتے ہیں صبر کرنے والوں کواللہ تعالیٰ بشارت دیتے ہیں۔ یہ کون لوگ ہیں۔ **الذین اذا اصباتھم مصیبۃ قالوا اناللہ وانا الیہ راجعون**۔جب ان پر مصیبت آجاتی ہے یہ کہتے ہیں ہم اللہ کے لیے ہیں اور ہم اُس کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں۔

ہم اللہ کے لیے ہیں اس کے بندے ہیں،اُس کے غلام ہیں، جو مصیبت بھی آتی ہے ان کی طرف سے ہے، ہم کو کوئی چوں و چراں نہیں، ہم مانتے ہیں،

ع سرِ تسلیم خم ہے جو مزاجِ یار میں آئے

حضرت خواجہ معین الدین اجمیری رحمۃ اللہ علیہ کے شیخ حضرت خواجہ عثمانِ ہارونی رحمۃ اللہ علیہ کا شعر ہے۔

؎ بجرِ قتلم چوں کشد تیغ نہم سر بسجود او بہ نازے عجبے من بہ نیازے عجبے

جب وہ میرے قتل کے لیے تلوار کھینچتا ہے تو میں سر کو سجدے میں رکھ دیتا ہوں اس بات کے لیے کہ وہ اپنے ناز کو آزمائے اور ہم اپنے نیاز کو آزمائیں۔

اناللہ ہم اللہ کے لیے ہیں لہٰذا جو حکم اب ہمارے بارے میں اللہ کی طرف سے ہے ہم اُس پر راضی ہیں **وانا الیہ راجعون** ہم کو موت آجائے گی تو موت کے بعد ہم اللہ کے پاس پہنچ جائیں گے۔

الموت جسر یوصل الحبیب الی الحبیب.

ترجمہ: موت ایک پل ہے جو دوست کو دوست سے ملا دیتا ہے

؎ بلا سے نزع میں تکلیف کیا ہے سکونِ خاطر بھی کم نہیں ہے
کسی سے ملنے کی ہیں اُمیدیں کسی سے چھٹنے کا غم نہیں ہے

نزع میں کیا تکلیف ہے اُس کے بعد دل کی خوشی اور سکون مل رہا ہوتا ہے اللہ تبارک وتعالیٰ سے ملنے کی اُمیدیں ہیں دنیا چھوٹ رہی ہے اُس کا کوئی غم نہیں ہے۔

اولئک علیھم صلوت من ربھم و رحمة قف **و اولئک ھم المھتدون**٥

ان پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے سلام اور رحمت ہے اور یہی لوگ ہدایت پائے ہوئے ہیں۔ یہاں سے فوراً مضمون شروع ہوگیا۔ **ان الصفاء و المروة من شعائر اللہ؟؟**

صفاء ومروہ اللہ کی نشانیوں میں سے نشانی ہیں، تو حج کا مضمون شروع ہوگیا اس کا صبر سے کیا واسطہ ہے۔تو صفاء ومروہ کی جو سعی ہے یہ صبر کی داستان ہے وہ رزمی صبر تھا میدان جنگ کا **لمن یقتل فی سبیل اللہ اموات** اور یہ بزمی صبر تھا۔حضرت ابراھیم علیہ السلام نے ایک دودھ پیتے بچے کو اور ایک سترہ اٹھارہ سال کی بیوی کو ایسی جگہ چھوڑ کے گئے ہیں کہ آس پاس نہ آبادی ہے نہ پانی ہے نہ کھانا ہے۔اب بتائیں میدان جنگ مین تو تلوار سے لڑنا اس بات کی اُمید تو ہوتی ہے کہ یا یہ مارا جائے گا یا میں مارا جاؤں گا۔اور یہاں اٹھارہ سال کی بیوی، دودھ پیتا بچہ اور پاس کوئی آبادی نہیں تو انکو کتنا صبر کا مظاہرہ کرنا پڑا ہوگا۔لہٰذا اسکو صبر کے مضمون کے ساتھ بیان کیا گیا۔

چار باتوں پر میں نے آج بات کرنی تھی۔صبر و تحمل، برداشت، معافی اور مذاکرات۔ Patience, Tolerance, Forgiveness, Negotioation اقبال نے ایک شعر کہا ہے

یقین محکم، عمل پیہم، محبت فاتح عالم
جہاد زندگانی میں ہیں یہ مردوں کی شمشیریں

میرے بھائی اسلحہ محض توپ، ٹینک، جہاز اور ایٹم بم ہی نہیں ہوتے بلکہ انسانوں کی صبر و تحمل کی صفات ہوتی ہیں۔ اگر صفات سے انسان عاری ہے اُس میں صفات نہیں ہیں۔تو اس کے پاس اسلحے کے انبار لگالیں، چیزوں کے انبار لگالیں، تو یہ کامیاب ہونے والے نہیں ہیں یہ چلنے والی قوم نہیں ہے۔ یہ ڈوبنے والی قوم ہے۔ان چار صفات کا تذکرہ میں نے کرنا تھا۔ جو چلنے والی، اُبھرنے والی، بڑھنے والی، چھاجانے والی قوم کے پاس ہوتی ہیں۔پہلی بات صبر ہوتا ہے، دوسری بات برداشت ہوتی ہے۔اختلاف رائے کو، مخالف کو برداشت کرنا، اور تیسری بات معافی ہوتی ہے اور چوتھی بات مذاکرات کے ذریعے سے مسائل کو حل کرنا۔ یہ چار صفات ہوتی ہیں قوموں کی، جن کے پاس یہ چار صفات ہوتی ہیں وہ بڑھتے ہیں، چلتے ہیں، چھاتے ہیں اور لوگوں کی قیادت اُن کے ہاتھ میں آتی ہیں۔اور جن کے پاس یہ چار صفات نہ ہوں، ان کے پاس مال و دولت کے انبار ہوں، اسلحہ کے انبار

ہوں، فوجوں کی یلغار ہو سب کچھ انکے پاس ہو، یہ چلنے والی قوم نہیں ہوتی۔ انھوں نے آپس میں ایک دوسرے کے گریبان میں ہاتھ ڈال کر گریبان پھاڑنا ہوتا ہے، ایک دوسرے کو مارنا ہوتا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرماتھے اور فرمایا کہ میں پناہ مانگتا ہوں امارت الصبیان سے یعنی لڑکوں کی حکومت سے پناہ مانگتا ہوں۔ صحابہ رضوان علیھم اجمعین نے پوچھا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم امارت الصبیان کب آئے گی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ساٹھ (۶۰) ہجری میں۔ ٹھیک ساٹھ (۶۰) ہجری میں یزید تخت پر بیٹھا، لوگوں نے اختلاف کیا، کیونکہ اختلاف رائے ہر معاشرے کا حق ہوتا ہے اور اختلاف رائے کی قدر کرنا، اختلاف رائے کے ساتھ دلائل سے بحث کرنا اور دلائل سے اس کو قائل کرنا اور قائل نہ کر سکے تو قائل ہو جانا، یہ عقلمندی اور دانشمندی کی علامت ہوتی ہے۔ پشتو کا محارہ ہے کہ" پَڑمے کہ مَڑ مے کہ "(مجھے قائل کر دو بیشک پھر مجھے قتل کر دو) اس میں پشتو زبان کی دو ہزار سالہ دانشوری بند ہے۔ یا قائل ہو یا قائل کر۔ اگر میرے پاس دلائل ہیں تو قائل ہو جا اور دلائل نہیں ہیں تو دانشوری اور دانشمندی اس بات میں ہے کہ میں قائل ہو جاؤں ورنہ اُلٹے منہ گرنا ہوتا ہے۔ کیونکہ دلائلِ حق کے سامنے قائل نہ ہونا، ہتھیار نہ ڈالنا، یہ آدمی کی انتہائی بیوقوفی کی علامت ہوتی ہے۔ یزید کے ساتھ اختلاف ہوا کئی لوگوں نے اختلاف کیا اب ایک طریقہ کار یہ تھا کہ اختلاف والوں کے اختلاف کا قدر کر کے، اُن پر بحث کی جائے اور انکے تحفظات کو دور کیا جائے اُن کے اعتراضات کا خاتمہ کیا جائے تا کہ یہ اختلاف ختم ہو جائے، لیکن یزید کے سامنے ایک بات تھی کہ میں نے حکومت کی رِٹ (Writ) قائم کرنی ہے۔ خود اُس کی عمر ۳۲ سال جبکہ اُس کے سپہ سالار عبداللہ بن زیاد کی عمر بائیس سال۔ اُن کو کیا پتہ ہے کہ نواسہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کیا چیز ہے اور ان کا کیا مقام ہے۔ اُن کو کیا پتہ ہے علم کیا ہے اقدار کیا ہیں، نواسہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا مقام کیا ہے، دنیائے اسلام کیا ہے، اُس کی چار ہزار فوج نے بہتر (۷۲) آدمیوں کو گھیر لیا۔ حضرت حسینؓ اُن سے کہہ رہیں کہ مجھے اپنے سربراہ مملکت یزید تک پہنچاؤ تا کہ میں اُس کے ساتھ مذاکرات کروں اور مذاکرات کے بعد میں کسی نتیجے پر پہنچنا چاہتا ہوں، میں لڑنا نہیں چاہتا ہوں۔ لیکن اُنھوں نے تو کارنامہ سرانجام دینا تھا۔ یعنی دنیائے اسلام کی یہ ایک شرمناک حرکت کرنی تھی کہ چار ہزار آدمیوں نے بہتر آدمیوں کو گھیرا اور جب اُنھوں نے پہلا مطالبہ کیا کہ ہمارے پاس مقابلے کے لیے ایک ایک کر کے آؤ۔ جب اس طرح اُن کے بہت آدمی قتل ہوئے تو انہوں نے کہا کہ ایک ایک کر کے جاؤ گے تو جس جذبے کے ساتھ وہ لڑ رہے ہیں اُن کے آگے نہیں ٹھہر سکو گے۔ تو یکبارگی حملہ کیا اور

سب کو شہید کیا۔ بڑا کارنامہ سرانجام دیا اور شام کو اعلان کیا کہ ہم چار ہزار نے بہتر آدمیوں کو مار دیا اور ہم نے یزید کی حکومت کی رٹ قائم کردی ہے۔ اس کے ردعمل میں اہل مدینہ کھڑے ہوگئے اور اعلان کیا کہ دین کے شعائر کا مرکز مکہ مکرمہ ہے اور دین کا مرکز مدینہ منورہ ہے یہ بڑے نکتے کی بات ہے۔ شعائر دینیہ حج عمرہ، اللہ کے گھر کا طواف یہ تو مکہ مکرمہ میں ہیں لیکن دین کا مرکز مدینہ منورہ ہے لہٰذا چاروں کے چاروں خلافتوں میں اس اُصول کو مانا ہوا تھا کہ خلیفہ کا قائم کرنا اور ہٹانا یہ بنیادی طور پر مدینہ والوں کا حق ہے، مدینہ والے واقعہ کربلا سے بہت متاثر تھے بلکہ ساری دنیائے اسلام متاثر تھی۔ اُنھوں نے یہ اعلان کردیا کہ ہم اپنا حق استعمال کرتے ہوئے یزید کو معزول کرتے ہیں۔ اب پھر دو باتیں تھیں۔ ایک علاقہ ہے کہ جس میں اہل علم ہیں، اہل عمل ہیں، صحابہ کرام رضوان اللہ علیھم اجمعین ہیں۔ اہل رائے ہیں، اُنکی سوچ وفکر ہے اب اس اختلاف رائے کی قدر کی جائے۔ اُن کے ساتھ آ کے مذاکرات ہوں یا آپ قائل کریں انکو، یا قائل ہوں۔ یزید نے پھر یہ اصول لیا کہ حکومت کی رِٹ قائم کرنی ہے اور مدینہ منورہ پر حملہ کردیا اور تین دن تک کشت وخون کرایا ہے جس میں سترہ سو صحابہ کرام رضوان اللہ علیھم اجمعین اور تابعین شہید ہوئے۔ اس کی فوج گھوڑے دوڑتے ہوئے مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے صحن تک آئے۔ حدیث شریف ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہوا ہے کہ جو مدینہ والوں کو تنگ کرے گا پریشان کرے گا وہ ایسا پگھل جائے گا جیسے پانی میں نمک پگھلتا ہے۔ اس کے بعد تیسرا اختلاف جو آیا حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کا مکہ مکرمہ میں اہل مکہ نے کہا کہ ہم یزید کی حکومت کو نہیں مانتے۔ پھر دو باتیں سامنے تھیں۔ ایک رائے یہ تھی کہ اس اختلاف کی قدر کی جائے اُن کے ساتھ مذاکرات کیئے جائیں، ان کے تحفظات اور اعتراضات کو دور کیا جائے، وہ جن باتوں کو درست کرنا چاہتے ہیں اُن کو درست کیا جائے۔ ان میں تو کوئی بزرگ ایسے نہیں تھے جو کہتے کہ مجھے حکومت دو، کیا آپ ایسا سوچ سکتے ہیں کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کا جذبہ یہ تھا کہ میں حکومت کرنا چاہتا ہوں۔ مجھے حکومت نہ ملی تو کوئی کام ٹھیک نہیں ہوگا۔ بلکہ اصولوں کی جنگ تھی کہ وہ کچھ اصول منوانا چاہتے تھے کہ اگر ان اصولوں کے تحت آپ چلیں تو آپ کریں حکومت۔ وہ اصولوں کی جنگ تھی، جو قرآن وحدیث نے متعین کئے تھے، جو اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے بتائے تھے۔ پھر یزید کو مذاکرات والے راستے کی توفیق نہ ہوئی۔ حکومت کی رٹ قائم کرنے کے لیے پھر فوج آگئی اور منجنیق سے اتنے پتھر پھینکے ہیں کہ بیت اللہ شریف کی دیوار گری، بیت اللہ شریف کا غلاف جلا اور مکہ مکرمہ کے لوگوں کو ہراساں کیا گیا، ابھی یہ محاصرہ جاری تھا

کہ پیچھے سے اطلاع آئی کہ یزید موذی مرض میں مبتلا ہوا اور اپنا سر کھا گیا۔

ع ظلم پھر ظلم ہے بڑھتا ہے تو مٹ جاتا ہے

حکومت کفر سے قائم رہتی ہے حکومت ظلم سے قائم نہیں رہتی، یہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا قول ہے۔

تو لہٰذا آگے بڑھنے ترقی کرنے والے لوگ کون ہوتے ہیں جن کے پاس چار ہتھیار ہوتے ہیں ان کے پاس صبر ہوتا ہے انکے پاس تحمل و برداشت ہوتا ہے ان کے پاس معافی ہوتی ہے اور ان کے پاس اپنے کاموں کو مذاکرات کے ذریعے سے حل کرنا ہوتا ہے۔ Patience, Tolerance, Forgiveness, Negotiation. These are four weapons which if a nation is having are symbol to success. یہ ترقی کی اور کامیابی کی علامت ہوتے ہیں اگلی بات میں آپ سے عرض کردوں حضرت سعدی رحمۃ اللہ علیہ کا ایک شعر ہے۔

ے تواضع زکردن فرازاں نکوست
گدا اگر تواضع کند خوئے اوست

ترجمہ: عاجزی تو ٹیڑھی گردن والوں کو کرنی چاہیئے، غریب آدمی اگر عاجزی کرے تو یہ تو اس کی خو اور عادت ہے۔

گلستان تو Wisdom of the East ہے۔ تواضع تو مالدار آدمی، برسر اقتدار آدمی کو کرنی چاہیئے، اس کے ساتھ اچھی لگتی ہے۔ غریب آدمی تواضع نہیں کرے گا تو کیا کرے گا۔ لہٰذا صبر کا، عاجزی کا سب سے زیادہ مظاہرہ کرنا یہ طاقت والے کے ذمے ہوتا ہے جن کے پاس طاقت ہے وہ صبر کرتا ہے تو لوگ کہتے ہیں شاباش، واقعی یہ اعلیٰ آدمی ہے اس کے پاس سب کچھ ہے لیکن پھر بھی یہ برداشت کرتا ہے پھر بھی یہ صبر کرتا ہے ایک مالدار ظالم جابر آدمی ایک غریب آدمی کو مارے گا تو غریب آدمی معاف ہی کرے گا اس نے اُن کو معاف ہی کرنا ہے اور کیا کرنا ہے۔ معافی تو جب اقتدار والا آدمی کرتا ہے تو اُس کا مزہ ہے۔ دیکھیں دانشور لوگ سامنے بیٹھے ہوئے ہیں میں اپنی ساٹھ سالہ زندگی، چالیس سالہ دینی تحریکوں کا تجربہ اور بیرون ممالک میں پھرنے کا نچوڑ آپ کو آج دے رہا ہوں۔ صبر، تحمل، برداشت، معافی اور مذاکرات، اور خدا کے لیے اتنے ظالم کبھی نہ بنیں کہ دس آدمی ایک غریب آدمی کو گھیر لیں اور کہیں کہ ہم اپنا دبدبہ قائم کرنا چاہتے ہیں۔ یہ تو کوئی غیرت کی بات نہیں، کوئی اعزاز کی

بات نہیں۔اعزاز کی بات کیا ہے وہ میں آپ کو بتادوں۔علی مرتضٰی، شیر خدا رضی اللہ عنہ نے ایک کافر کو پچھاڑا اور چڑھے اُس کے سینے پر اور نکالی تلوار ان کی گردن کاٹنے کے لیے، کافر نے اُن کے منہ پر تھوک دیا۔بس فوراً اُٹھ گئے، آدمی کو حیرت ہوئی، پوچھا آپ مجھ پر غالب آگئے تھے اور قتل نہیں کیا؟ اُنھوں نے کہا پہلے میں اللہ کی رضا کی لیے قتل کر رہا تھا جب تو نے تھوک دیا تو مجھے غصہ آگیا تو میرے نفس نے تجھے قتل کرنا چاہا، اس لیے میں نے تجھے چھوڑا۔بس آدمی آگے ہوا اور اسلام قبول کیا۔کیونکہ یہ عمل اعزاز والا تھا، غالب آنے کے بعد اُس اللہ کے شیر نے معاف کیا۔تو یہ علامتیں ہوتی ہیں عزت والے لوگوں کی، بڑے لوگوں کی، اونچے لوگوں کی اعزاز والے لوگوں کی، معافی اُن کی علامت ہوتی ہے۔جس آدمی میں معافی نہیں ہے تو یہ معزز آدمی نہیں ہے۔اس کو کوئی معزز نہیں سمجھتا۔دیکھ لو نا محلّوں میں، گاؤں میں ایک غریب آدمی کو مالدار آدمی مار لیتا ہے، پٹائی کر لیتا ہے وہ بول نہیں سکتا ہے لیکن ہر گھر میں آدمی کہہ رہا ہوتا ہے کہ فلانے نے زیادتی کی ہے (فلانے ڈیر زیاتی خور دے) پھر کہتا ہے فلانا اُسکے آگے کھڑا ہوا تھا نا اُس کے آگے پھر دم ہلا رہا تھا اور آج غریب آدمی سامنے آیا ہے تو اُس پر چڑھ کر آرہا ہے۔

زندگی میں اس بات کو یاد رکھیں، عوام کوتاہیاں کرتے ہیں اہل حکومت معاف کرتے ہیں ان کے ساتھ مذاکرات کیا کرتے ہیں سمجھایا کرتے ہیں۔ساری دنیا میں جنگ و جدال کا اصول ہے Strategy of war میں پہلا اصول یہ ہے کہ دشمن کو بے بس کیا جائے۔تاکہ اپنے وسائل بھی بچیں اور اسکے وسائل بھی بچیں، اور کشت و خون نہ ہو۔مکہ جو کفر کا گڑھ تھا اُس کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح کیا ہے اور کل بارہ آدمی مارے گئے ہیں کفار کے اور مسلمانوں کے دو آدمی۔کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایسی خفیہ ترتیب (Secrecy) کے ساتھ آئے ہیں کہ مکہ مکرمہ کا گھیرا ڈالا اور کسی کو پتہ بھی نہیں چلا۔لوگ بے بس ہو گئے اور اُن کو اندازہ ہو گیا کہ اب اگر باہر نکلتے ہیں تو مرنے کے علاوہ اور کچھ نہیں ہے۔ہتھیار ڈال کر انھوں نے صلح کا علان کر دیا۔

☆☆☆☆☆☆☆

تاثرات بر اصلاحی اجتماع ادارہ اشرفیہ عزیزیہ منعقدہ ایوب میڈیکل کالج ایبٹ آباد

(صفدر صاحب، طالب علم آخری سال ایم بی بی ایس، ایوب میڈیکل کالج، ایبٹ آباد)

الحمد للہ، اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے ادارہ اشرفیہ عزیزیہ کے زیرِ اہتمام اصلاحی اجتماع منعقدہ مسجد ایوب میڈیکل کالج آیبٹ آباد بروز منگل ۱۷ جمادی الثانی ۱۴۲۸ھ بمطابق ۳ جولائی ۲۰۰۷ء بخیر و عافیت اختتام پذیر ہوا۔ ایوب میڈیکل کالج کے ساتھی جب آپ حضرات کو رُخصت کررہے تھے تو ایک عجیب کیفیت تھی اور خیال ہورہا تھا کہ اتنی جلدی یہ روحانی مجالس جن کا ہمیں مہینوں سے انتظار تھا ختم ہوگئیں۔

ذہن و دل میں ذوق و شوق اور کرگئی اثرات جو
ایک مجلس تھی فرشتوں کی ہوئی برخاست جو

خواہش تھی کہ چند دن اور جاری رہتیں۔ آپ حضرات کے جانے کے بعد میں نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ یہ دو ڈھائی دن زندگی کے سُنہرے دن تھے تو سب ساتھیوں نے تائید کی۔

الحمد للہ اجتماع سے مجھے ذاتی طور پر اور جتنے ساتھی یہاں کے مجالس میں شریک ہوئے ان کے کہنے کے مطابق بڑا فائدہ ہوا۔ بڑے زبردست جذبات اصلاحِ نفس اور اپنی روزمرہ کی زندگی کو زیادہ سے زیادہ سنت کے مطابق لانے کے بارے میں بنے اور کیفیات تو اندر کی باتیں ہیں جن کو نوکِ قلم پر نہیں لایا جاسکتا۔

چند باتیں اس بارے میں عرض کرتا ہوں، اگر لکھنے اور بیان کرنے میں کسی بات میں افراط و تفریط یا اپنی خودنمائی ہوگی تو غلطی میری ہوگی، اللہ تعالیٰ مجھے اصلاحِ تام کی توفیق عطا فرمائے۔

اجتماع کے سارے بیانات جو ہمارے شیخ محترم اور دوسرے مشائخ حضرات نے کیئے بڑے پُر تاثیر تھے۔ پیر کے دن فجر کی نماز کے بعد آپ کا جو بیان اصلاح کی تعریف اور توبہ کے موضوع پر ہوا۔ ان میں گناہگاروں کے لیے بڑی اُمید تھی اور مایوس و نا اُمید دلوں کے لیے اکسیر۔ اس بیان میں جو لیڈی ڈاکٹر صاحبہ والا قصہ بیان ہوا اور ساتھ آپ نے یہ بھی فرمایا کہ شیطان کی سب سے بڑی چال یہ ہوتی ہے کہ وہ انسان سے کہتا ہے کہ آپ بڑے گناہ گار ہیں لہٰذا ان مجالس میں نہ جائیں اور ایک دفعہ جب وہ نیک مجالس سے بندے کو بھگا دیتا ہے تو پھر اپنا کام لیتا ہے۔ اس بیان کو منگل کی شب میں چند دوستوں کو جو فجر کے بیان میں شریک نہیں ہوسکے تھے

سنایا تو دو نئے ساتھی بیعت پر اور آپ کے ساتھ تعلق پر تیار ہو گئے۔ ان میں ایک سلسلہ میں داخل ہوا اور دوسرا کسی وجہ سے نہ آسکا لیکن بعد میں بہت زیادہ خفہ تھا یہاں تک کہ میں نے اسے تسلّی دی کہ تم دلی طور پر بیعت ہو (کیونکہ میں نے آپ حضرات سے سنا تھا کہ بیعت دلی تعلق کو کہتے ہیں) اور باقاعدہ بیعت بعد میں ہو جاؤ گے۔ پھر ان کو تسلّی ہوئی۔

پیر کے دن بارہ (۱۲) بجے آپ نے حضرت ڈاکٹر عبدالسلام صاحب مدظلہ کے بیان کے بعد جو دین کے پانچ شعبے اور دینی کام یا دعوۃ اِلی اللہ کے چھ شعبے بیان کئے اس سے بھی بہت سے ساتھیوں کے خیالات درست ہوئے اور اس میں آپ حضرات نے جو حضرت مسرت حسین شاہ صاحبؒ کا وہ تین افغان لڑکیوں کے بوڑھے والد کا قصہ سنایا (جن کی عزت روسی سپاہیوں نے تباہ کی تھی) اور ساتھ ساتھیوں سے ایسے حالات میں جان دینے کا عہد لیا، اس وقت ایک عجیب فضا بن گئی اور اسلام و دین وملت کی حفاظت کے لیے جان دینے کے جذبات پیدا ہو گئے۔

منگل کے دن فجر کی نماز کے بعد کے بیان میں دین اور شریعت کے عملی طور پر زندگی میں زندہ کرنے کے لیے ترتیبیں اور ایک عملی زندگی کے تجربات وعبرت آموز واقعات، یہود کی دینِ اسلام اور مسلمانوں میں تفرقہ ڈالنے کی کئی سازشوں کا تذکرہ ہوا اور یہ بات نمایاں طور پر سامنے آگئی کہ یہ ہے شریعت و طریقت کا تلازم۔ دوسرے مشائخ حضرات کے بیانات میں حضرت مولانا اختیار الملک صاحب مدظلہ کا بیان تو گویا اصلاحی، علمی اور روحانی مضامین اور صوفیاء کے نکات کا ایک سمندر تھا۔ حضرت لقمان علیہ السلام کے نو اوصاف اور ساتھ ساتھ اپنے مخصوص طرز میں جو لطائف بیان کئے وہ بڑے زبردست تھے اور خاص کر ان میں جو حضرت مولانا محمد اشرف خان سلیمانی رحمتہ اللہ علیہ سے کسی کا پچیس (۲۵) لاکھ حوروں کے بارے میں سوال اور پھر ان کے جواب نے تو پوری مجلس کو باغ و بہار بنا دیا۔

حضرت مولانا ارشد الحسینی صاحب مدظلہ کی حدیث جبریل علیہ السلام پر سیر حاصل گفتگو اور ساتھ ساتھ مختلف واقعات میں جو علمی نکات بیان کئے اس سے بڑے محظوظ ہوئے۔ خاص کر انبیاء کا حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے نماز پڑھتے ہوئے سورۃ فاتحہ کا نہ پڑھنا، حضرت تھانویؒ کا آسمانوں پر انبیاء کے نام یاد کرنے کے لیے ''اعیاھم'' کا فارمولا اور ہابیل، قابیل میں قاتل کے لیے ''ق'' کے لفظ کا فارمولا نے بڑا مزہ دیا۔

ڈاکٹر عبدالسلام صاحب مدظلہٗ کے بیان میں جو انبیاء علیہم السلام کا لوگوں کو اللہ کی طرف بلانے کا طریقۂ کار اور دارِ ارقم اور صفّہ کے تین اعمال، تزکیہ، تعلیم و تعلم اور دعوت کا تذکرہ ہوا۔ ساتھ انہوں نے اہل تبلیغ کو تصوف اور اہل تصوف کو تبلیغ کی دعوت دی۔ جس کی وضاحت کے طور پر آپ حضرات نے پھر مفتی رشید احمد لدھیانویؒ کی دینی شعبوں کا آپس میں، تحابب، تعاون اور تناصر کا تذکرہ کیا اور تقابل، تباعد اور تباغض (بغض) سے بچنے کا مشورہ دیا وہ بڑا مفید تھا۔ اور میرے خیال میں ان باتوں کو عملی طور پر لینے سے سارے مسائل حل ہو جائیں گے۔ اور مزید برآن آپ کا یہ فرمانا کہ ایک وقت میں بندہ اپنی پوری توانایاں تو کسی ایک شعبہ میں لگا سکتا ہے لیکن باقی شعبوں کے ساتھ محبت والا تعلق رکھے اور جہاں تک ہو سکے ان کی مدد کرنا اور ان کے لیے دعا کرنا چاہیے اور نیز یہ کہ بیعت و تلقین اصلاحِ تام والا شعبہ ہے اور سب کو اس میں کچھ نہ کچھ وقت لگا کے باقی شعبوں میں جانا چاہیے۔

مفتی شاہ جہان صاحب مدظلہٗ کا بیان بھی بہت زبردست تھا اور اس میں سالک کو طالبِ علم فرمانا اور مزید برآں غصہ کو قابو کرنے، اس کے بارے میں قرآنی آیات و احادیث اور اکابر کے واقعات پر سیر حاصل گفتگو کی۔ بعد میں ایک ساتھی نے مجھ سے کہا کہ صرف غصہ پر ایک گھنٹہ بیان عجیب علم ہے۔

الغرض سارے بیانات بہت پُر تاثیر تھے اور یہ بات قدرِ مشترک کے طور پر سامنے آئی کہ اصلاحِ نفس نہایت ہی ضروری اور اہم ہے اور اس کے لیے کسی شیخِ کامل کے پاس جا کر اپنی اصلاح کرانا ضروری ہے اور وہ بیعت اصلاحی بیعت ہو (جس کو میں اپنے طور پر Active بیعت کہتا ہوں)۔ محض ہاتھ میں ہاتھ ملانا نہ ہو اور نیز یہ کہ ہم اپنے رشتہ داروں، دوستوں، گاؤں والوں، علاقہ والوں وغیرہ کو بھی زیادہ سے زیادہ سلسلہ میں شمولیت اور اصلاح کی دعوت دیں۔

بیانات کے ساتھ ساتھ اجتماع میں تعلیم کا سلسلہ بھی جاری رہا۔ ڈاکٹر طارق صاحب نے کیمیائے سعادت کی تعلیم میں اللہ تعالیٰ کی تخلیقات اور ان کی قدرتوں کا جو مضمون بیان کیا وہ بڑا ہی عجیب تھا لیکن تھوڑا مشکل تھا اور اسے سمجھنے کے لیے بالکل دماغ کو حاضر کرنا ہوتا تھا۔ مولانا ڈاکٹر عبیداللہ صاحب کی تعلیم بھی کافی زبردست تھی۔ الطاف صاحب جو ''اصلاحِ نفس'' سے تعلیم کرتے تھے وہ تو بہت زیادہ پُر تاثیر تھی اور آخری دن جو ڈاکٹر قیصر علی صاحب نے حضرت مولانا اشرف صاحب رحمتہ اللہ علیہ کے حالات پڑھے اور آخر میں یہ شعر پڑھا،

غزالاں تم تو واقف ہو کہو مجنوں کے مرنے کی
دوانہ مرگیا آخر تو ویرانوں پہ کیا گزری

اس وقت تو بے اختیار ہو حق کا نعرہ بلند کرنے کو دل چاہتا تھا۔ساتھ ساتھ ندیم صاحب کی نعتیں محفل پر ایک عجیب حال طاری کرتی تھیں اور آخری دن مشتاق صاحب مدظلہٗ نے نعتِ جامیؒ اور قصیدہ بُردہ شریف پڑھے اس وقت تو محفل پر ایک عجیب سوز کی کیفیت طاری تھی۔حضور پُر نور صلی اللہ علیہ وسلم تسلیماً کثیراً کثیراً کی محبت سے دل لبریز ہوتے جارہے تھے۔اس وقت میں نے بہت مشکل سے اپنے آپ کو روکا ہوا تھا اور چیخنے کو دل چاہ رہا تھا۔

خدمت والوں نے میرے خیال میں خدمت کا حق ادا کردیا۔الطاف صاحب،ڈاکٹر طارق صاحب،میاں افضل صاحب اور اشفاق صاحب نے بالخصوص اور باقی ساتھیوں نے بالعموم اپنی بساط سے زیادہ خدمت کی اللہ تعالیٰ قبول فرمائیں۔مزید برآں یہ کہ ان کے ساتھ ہمارے ہاسٹل کے جن بیروں نے کام کیا وہ بھی اِن سے کافی متاثر اور خوش تھے۔اور یہ کہ ہمارے کالج کے بیروں نے خدمت دین اور مہمان سمجھ کر اجتماع والوں کی خدمت کی۔

لاؤڈ سپیکروں کا نظام کافی اعلیٰ تھا اور کسی کو بھی میرے خیال میں آواز نہ آنے کی شکایت نہیں ہوئی۔یہ نظام مدینہ مسجد والے اجتماع میں بھی ہونا چاہیے۔

جتنے بھی ساتھی باہر سے آئے تھے ان سب نے یہاں پر انتہائی نظم و ضبط،باوقار اور ایک دوسرے کا اکرام کرتے ہوئے وقت گزارا۔ہمارے ہاسٹل کے جن لڑکوں سے میری بات ہوئی سب نے ان کے رویے کی شائستگی اخلاق و عادات وغیرہ کی تعریف کی اور چونکہ ہر عمر کے لوگ آئے تھے ،بچے،نوجوان،بوڑھے وغیرہ لیکن کسی کے رویے کے خلاف ابھی تک کوئی شکایت نہیں آئی اور سب لوگ تعریف کررہے ہیں۔مزید برآں کہ اس اجتماع میں کالج کے چیف اگزیکٹو، پرنسپل،پروسٹ اور انظامیہ نے بھرپور تعاون کیا۔اللہ تعالیٰ جزائے خیر عطا فرمائے۔آمین!

حالتِ نزع (گیارہویں قسط)

(ڈاکٹر فہیم شاہ، ڈسٹرکٹ اسپیشلسٹ، کوہاٹ)

امام صاحب اب افسردہ رہتے اور کیوں نہ رہتے کہ برسوں چلا مسافر ساتھ چھوڑ جائے تو دُکھ تو ہوتا ہی ہے۔ اور وہ مسافر جس کی وجہ سے امام صاحب کی زندگی بدلی، ظلمت کی زندگی سے نور والی زندگی کی طرف، وہ کیوں نہ یاد آتی۔

کبھی آہ لبوں سے نکل گئی کبھی اشک آنکھ سے ڈھل پڑے
یہ تمھارے غم کے چراغ ہیں کبھی بجھ گئے، کبھی جل گئے

امام صاحب شروع میں آلاتِ موسیقی سے لطف اندوز ہوتے، دوست احباب بھی اسی طرز کے تھے۔ اپنی چھوٹی چھوٹی محفلیں سجاتے، لیکن اس عورت سے شادی کے بعد اپنی زندگی بدلی۔ وہ عورت تھی ہی عجیب، ایک طبلہ نواز کو مسجد کا امام بنا دیا۔

گاؤں کی ایک دوسری عورت تھی جو شرعی پردہ کی پابند تھی۔ عورتیں اس کو پردہ سے منع کرتی کہ اتنی سخت پردہ کی ضرورت کیا ہے۔ حتیٰ کہ ساس بھی اس کو منع کرتی کہ ماموں زاد، چچازاد، خالو، پھوپھا وغیرہ سے پردہ کی ضرورت نہیں ہوتی۔ لیکن اس کو دھن تھی تو اپنے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی بات پر عمل پیرا ہونے کی۔ ایک رات خواب میں امام صاحب کی گھر والی کو دیکھا کہ نہایت ہی حسین صورت لئے خوبصورت جگہ پر بیٹھی ہے، اردگرد کا ماحول انتہائی خوبصورت باغ کی مانند ہے جس کو پہلے کبھی نہیں دیکھا۔ ان سے پوچھا ماسی (خالہ) کیا یہ جنت ہے؟ اس نے جواباً کہا ہاں یہ جنت ہے۔ پوچھا آپ کو یہ مرتبہ کیسے ملا؟ اس نے کہا اللہ تعالیٰ نے میرے ساتھ نہایت شفقت کا معاملہ کیا اور مجھے بخش دیا ہے۔ کہا کہ جب تو لوگوں سے میری خاطر پردہ کرتی تھی اور رُخ پھیر کے بیٹھ جاتی اور اپنے آپ کو چھپا لیتی تو یہ عمل مجھ کو بہت پسند آتا تھا، اس کی وجہ سے میں نے تجھ کو بخش دیا۔ پھر مجھ سے کہنے لگی اے لڑکی سن اس پردہ کو ہرگز نہ چھوڑنا، لوگوں کی ملامت اور باتوں کی پرواہ نہ کرنا، اگر تو اس پر پکی رہی تو اللہ تعالیٰ تمھارے ساتھ بھی یہ معاملہ کرے گا۔ اور وہ تو بہت ہی بخشنے والا مہربان ہے۔ یہ صبح اُٹھی تو بہت روئی۔ اس خواب کا تذکرہ میری والدہ صاحبہ سے کیا۔ اللہ تعالیٰ ہمیں عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائیں۔ آمین

ہمارے گاؤں کے ساتھ دوسرے گاؤں میں ایک بوڑھا نہایت نیک، لوگوں کے کام آنے والا، قرآن

شریف کی تلاوت کرنے والا، بیمار ہوا۔ آخری وقت قریب تھا، گھر میں چار پائی پر لیٹا تھا۔ اپنی گھر والی کو آواز دی اری وڈ کو (بڑی بی) ادھر آؤ، جب وہ قریب آئی تو کہنے لگا دیکھو تو بڑے ہی خوبصورت مہمان آئے ہیں خوبصورت لباس پہنے ہوئے۔ ایسے مہمان تو پہلے کبھی نہیں آئے۔ ان کے لیے چائے کا بندوبست کرو۔ اس عورت نے ادھر اُدھر دیکھا تو اس کو کچھ نظر نہ آیا۔ خیر اس نے سوچا بیمار ہے اس کو مغالطہ ہوا ہے۔ اس کے کہنے پر میں قہوہ بنا دوں گی۔ تاکہ یہ پی لے۔ وہ قہوہ بنا کر واپس آئی تو شوہر خاموش تھا، سانس بھی بند تھا۔ پیالہ ایک طرف رکھ کر اس کو ہلایا لیکن وہ تھا کدھر جو حرکت کرتا یہ تو اس کا بے جان جسم تھا، آنے والے مہمان ہمیشہ کے لیے اس کو ساتھ لے گئے تھے۔ اس عورت کی آنکھ سے آنسو چھلک پڑے اور چار پائی پر سر رکھ کر خوب روئی اور ساتھ کہہ رہی تھی کہ آخری قہوہ تو پی کر ہی جاتے یہ تو میں نے تمھارے لیے بنایا تھا، لیکن کدھر۔ موت تو ماں باپ، بہن بھائی، شوہر بیوی سب سے جدا کر دیتی ہے، جنازہ گھر سے نکلتا ہے اور لوگ روتے ہیں تو عزرائیل علیہ السلام اس گھر میں اعلان فرماتے ہیں، میں پھر آؤں گا اور آتا رہوں گا یہاں تک کہ کوئی بھی زندہ نہ بچے گا۔ ہائے کون اس اعلان کو سنے اور سوچے۔

ایک جوان کا قصہ بڑا ہی عجیب ہے۔ فوج میں اس کی ملازمت تھی۔ کلرک کی حیثیت سے کام کرتا تھا۔ اس کا ایک بھائی کراچی میں تھا اور دوسرا کہیں اور۔ کچھ عرصہ پہلے اس کے بھائی کا انتقال ہو گیا تھا۔ اس کی لاش کراچی سے گاؤں لائی گئی جہاں اس کے والدین رہتے تھے۔ بوڑھے والدین اپنی آخری عمر میں اس صدمے کو برداشت کر گئے، اس کو دفنا دیا گیا لیکن اللہ کو کچھ اور بھی منظور تھا۔ آنے والا وقت ایک اور پیغام لا رہا ہے۔ اس فوجی بھائی کے تبلیغی جماعت میں چالیس دن لگے ہوئے تھے، نہایت نیک اور ملنسار انسان تھے۔ جہاں پر ملازمت تھی وہاں گھروں میں عصر کے وقت بچوں کو قرآن شریف پڑھاتے تھے۔ وہ چھٹی پر گاؤں آئے تھے۔ اس کے بچے ادھر ہی گاؤں میں تھے۔ چار چھوٹے چھوٹے بچے اس کے آنے پر بہت ہی خوش ہوئے۔ اُن کے لیے چھوٹے چھوٹے تحائف گاڑیوں کی شکل میں لائے تھے، لیکن ان کو کیا پتہ تھا کہ ان کی خوشی کے تھوڑے ہی دن ہیں۔ اس فوجی بھائی کی گھر والی پا کباز عورت تھی پردہ کرتی۔ گاؤں میں ادھر اُدھر نہیں پھرتی تھی۔ اس کی بہن کا شوہر ایک بدمعاش قسم کا آدمی تھا۔ وہ اس کو ٹیلی فون کے ذریعے تنگ کرتا رہتا۔ جب فوجی بھائی گھر آیا، اس کی گھر والی نے اپنی بہن کے شوہر کا تذکرہ کیا کہ وہ مجھے تنگ کرتا رہتا ہے۔ اس نے تین چار دنوں میں اپنے ساڈھو کو سمجھانے کی کوشش کی، کچھ سختی اور کچھ نرمی سے لیکن اکڑ باز آدمی کب مانتا ہے۔ اس نے اس فوجی بھائی کے ساتھ

لڑائی کی۔ دونوں دست وگریبان ہوئے۔ لوگوں نے چھڑایا۔ گرمی کے دن تھے۔ اگلی صبح سورج طلوع ہوا تو تپش معمول سے زیادہ تھی۔ لوگ کہہ رہے تھے آج گرمی زیادہ ہے۔ کچھ دیر بعد کالے بادل آسمان پر چھا گئے اور خوب برسے۔ ندی نالے بہہ پڑے۔ اس گاؤں میں ایک نالہ تھا جس میں بعض جگہ پر پانی کھڑا رہتا۔ شمال کی جانب پہاڑ پر جب بارش زیادہ ہوتی تو اس نالہ میں بھی پانی زیادہ ہوتا اور چھوٹے دریا کی شکل اختیار کر جاتا۔ اس دن بارش خوب ہوئی اور اس نالے میں بھی پانی دریا کی طرح بہہ پڑا۔ فوجی بھائی نے سفید کپڑے پہنے، اپنی گھر والی سے فرمائش کی آج موسم کتنا اچھا ہوگیا ہے تم بھی خوبصورت جوڑا پہنو۔ وہ ظہر کی نماز کے بعد اپنے تین بچوں کو جن کی عمریں دو سال، ساڑھے تین سال اور پانچ سال تھیں (چھوٹا دودھ پیتا بچہ تھا)، اپنے ساتھ دریا کی سیر کرانے لے گئے۔ وہاں ان کے ساتھ کھیلتا رہا، وہ اپنے ابو کے ساتھ خوشی خوشی کھیلتے رہے۔ عصر کی نماز کے لئے وہ واپس آیا اور اپنے والدین اور گھر والوں کو سلام کر کے مسجد گیا۔ راستے میں اس بدمعاش سانڈو سے پھر تو تو میں میں ہوگئی۔ یہ مسجد میں وضو کے لئے بیٹھ گیا۔ اقامت کا وقت ہو چلا تھا۔ صفیں سیدھی ہو رہی تھیں اور لوگ اپنے اللہ کے حضور حاضری کے لیے پہنچ رہے تھے۔ اتنے میں وہ بدمعاش مسجد میں داخل ہوا، اس فوجی کے عقب سے آکر اس کی گردن پر بڑے چاقو سے وار کیا جس سے اس کی شہہ رگ کٹ گئی۔ جس سے خون کا فوارہ چھوٹا۔ وہ اس کا مقابلہ کرنے کے لیے کھڑا ہوا اور پکڑنے کی کوشش کی لیکن وہ بھاگ گیا۔ راستے میں لوگوں نے اس بدمعاش کے کپڑے پر خون دیکھ کر پوچھا تو اس نے کہا بکرا ذبح کیا ہے۔ بہرحال وہ مفرور ہوگیا۔ اس فوجی بھائی پر خون بہہ جانے کی وجہ سے بیہوشی طاری ہوگئی اور زمین پر گر گیا۔ لیکن زبان سے کہا کہ مجھے گاڑی میں ڈال کر کوہاٹ ہسپتال لے جاؤ۔ لیکن اتنا وقت کہاں تھا۔ مسجد میں فرش پر خون پھیل چکا تھا۔ گاڑی منگوائی گئی، لیکن گاڑی میں ڈالنے کے بعد اس کی روح پرواز کر گئی۔ اسے گاڑی سے واپس نکال کر چارپائی پہ ڈالا گیا۔ اور گھر کی سمت لوگ روانہ ہوئے۔ گھر میں اطلاع دی جا چکی تھی۔ بوڑھے والدین دونوں معذور اپنی چارپائی سے گھسٹتے دروازہ پر اپنے بیٹے کی استقبال کے لیے موجود تھے۔ اس کی بیوی نے آج خوبصورت جوڑا اپنے خاوند کے کہنے پر پہنا ہوا تھا۔ چادر لپیٹے دروازہ سے میت کو اندر آتے دیکھ کر پھوٹ پھوٹ کر روئی۔ چھوٹے چھوٹے بچے اپنے ابا کو خون میں لت پت دیکھ کر حیران رہ گئے۔ وہ دوڑے اپنے ابو کی طرف لیکن یہ کیا کہ ابو تو بولتے ہی نہیں، دیکھتے ہی نہیں۔ خاموش کیوں ہیں؟ امی ابو بولتے کیوں نہیں ہیں۔ دادا ابو، دادی جان ابو کو کیا ہوگیا ہے۔ ارے پگلے یہ تو دستور ہے زمانے کا، روزانہ کسی نہ کسی کے گھر سے جنازہ تو نکلتا ہی ہے۔ اس فوجی

بھائی کو نہلایا گیا سفید جوڑا اُتار کر سفید کفن پہنایا گیا، پھر جنازہ کا اعلان ہوا کہ پہنچو جنازہ گاہ کی طرف۔ ہائے ہائے وہ منظر دیکھنے کا تھا جب بچے اپنے ابو کی چارپائی سے لپٹے ہوئے تھے۔ بوڑھے والدین کے دل پر کیا گزری ہوگی۔ ماں اپنی تمام ممتا کو لئے اپنے پیارے بیٹے کو ہمیشہ کے لیے رُخصت کر رہی تھی۔ جب وہ سفر پہ رخصت کرتی تو اس کو کہتی بیٹا جلدی آنا، لیکن آج بھلا وہ کیسے کہہ سکتی تھی۔ اس طرف تو جانے والے واپس نہیں آیا کرتے۔ جب جنازہ کو رخصت کرنے لگے اور میت گھر سے نکلنے لگی تو چھوٹے چھوٹے بچوں کو دیکھ کر پتھر دل بھی روئے۔ بچے حیران تھے کہ اتنے سارے لوگ تو پہلے ہمارے گھر نہیں آئے، یہ ہمارے ابو کے ساتھ کیوں جارہے ہیں۔ چھوٹے دریا کی موجیں کناروں سے زور زور سے ٹکراتی تھیں، اس سے ایک شور سا سنائی دیتا تھا، شاید وہ بھی نوحہ کناں تھا۔ آسمان تو پہلے دن ہی رو چکا تھا۔ گاؤں میں اس دن غیر معمولی خاموشی تھی۔ ایک گھر تھا جہاں سے سسکیوں کی آواز آرہی تھی۔ اس فوجی بھائی کو دفنا دیا گیا۔ لوگ دفن سے واپس ہوئے۔ بچے اپنے گھر واپس لائے گئے۔ ان کی ماں ان کو دیکھ کر ان سے لپٹ کر خوب روئی اور کیوں نہ روتی جب کہ ہمارے حبیب پاک صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت ابراہیمؓ کو آخری وقت میں دیکھا، جب وہ وفات پا رہے تھے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھ مبارک سے آنسو جاری تھے۔ حضرت زینبؓ کو خود دفن فرمایا اپنے ہاتھ سے لیکن جب ابراہیمؓ کو دفن کرنے کا وقت آیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم قبر میں نہ اُتر سکے۔ اور فرمایا؛ اے ابراہیم بڑا ہی دُکھ دے کر جا رہے ہو۔

اس عورت کے دل کی آواز اس کو رونے پر مجبور کر رہی تھی۔ آنکھ سے آنسو جاری تھے لیکن بین نہیں کر رہی تھی۔ اپنے کپڑے نہیں پھاڑے اور عورتوں کی طرح، میں اس عورت کا دُکھڑا کیسے سنا سکتا ہوں، ان کے جذبات الفاظ میں کیسے آسکتے ہیں۔ بقول حضرت خواجہ عزیز الحسن مجذوبؒ،

ے نا سمجھ بچوں کو بھی ہے شاق مرجانا ترا جب گزرنا پاس ہو کر پیار کر جانا ترا
کوئی جھولوں کو بھی گر رویا تو ڈر جانا ترا جب سفر کرنا کہیں یا چشم تر جانا ترا
کوئی لب پُرساں نہیں بیکس تری اولاد ہے

تم سے اے مجذوب نوحہ بے محل بے ربط تھا صبر کی تلقین کا تم کو تو گویا خبط تھا
روکتے تھے بین سے یوں جیسے ایمان حبط تھا خود سے بے خود کیوں ہوئے تم کو تو نازِ ضبط تھا
میں نہ کہتی تھی کہ میری دُکھ بھری روداد ہے

میں حیران ہوتا ہوں فوجی بھائی کے والدین پر کہ کیسے صبر کا گھونٹ پی گئے۔ میں حیران ہوتا ہوں اس عورت پر جس کا شوہر شہید ہو گیا اور میں اس سے زیادہ حیران ہوتا ہوں ان لوگوں پر جنھوں نے اپنے سامنے مسجد میں ایک آدمی کو شہید ہوتے دیکھا لیکن پھر بھی تھانیدار کے سامنے گواہی دینے سے منکر ہو گئے۔ (جاری ہے)

تبصرۂ کتب

(ڈاکٹر فدا محمد صاحب دامت برکاتہٗ)

۱۔ برگِ سبز:

بندہ کو جن اکابرین کی شفقتیں حاصل ہیں اُن میں حضرت مولانا عبدالقیوم حقانی صاحب مدظلہٗ بھی ہیں۔ حضرت اپنی کتابیں بھیجتے رہتے ہیں۔ حال ہی میں ''برگِ سبز'' تبصرہ کے حکم کے ساتھ ارسال فرمائی ہے۔

بندہ علمی لحاظ سے ایسے محققین و کاملین علماء کی کتابوں پر تبصرہ لکھنے کا قطعاً اہل نہیں۔ البتہ اپنے رسالہ ''غزالی'' میں تعارف ضرور لکھ لیتا ہوں جو کتاب کی اشاعت میں اضافے کا سبب بنتا ہے اور بندہ کے لئے اجر و ثواب کا ذریعہ، کیونکہ **اَلدَّال عَلی الخیر کَفَاعِلِہٖ** نیکی کی طرف رہنمائی کرنے والا ایسے ہی ہے جیسے خود نیکی کرنے والا۔

برگِ سبز حضرت مولانا قاضی عبدالکریم صاحب کلاچوی مدظلہٗ کی تصنیف ہے جس میں جناب حضرت مولانا مفتی محمد شفیع سرگودھوی صاحب کا تذکرہ ہے۔ حضرت مفتی محمد شفیع صاحب کا تذکرہ بندہ نے پہلی مرتبہ تبلیغی تحریک کے پر جوش کارکن بھائی عبدالوہاب کی زبانی سنا۔ بیان میں مفتی صاحب کا تذکرہ کرتے ہوئے انہوں نے فرمایا کہ ''ایک مفتی شفیع صاحب مفتی اعظم دارالعلوم کراچی ہیں اور ایک مفتی شفیع صاحب سرگودھوی گزرے ہیں۔ سرگودھوی صاحب عالم، مدرس، مفتی اور خطیب ہونے کے بعد بیعت ہوئے۔ شیخ نے درس، فتوٰی، خطبہ سارے کام چُھڑوا دئے اور اصلاحی ترتیب اور ذکر اذکار کی پابندی شروع کرادی۔ اُن کو حیرت تھی کہ اتنے ضروری کام چُھڑوا دئے۔ کچھ عرصہ ذکر اذکار کے بعد اپنے شیخ کو لکھا کہ دل میں یہ بات آئی کہ میں جو بڑی بڑی کتابیں پڑھاتا تھا تو اس سے نفس کو خوشی ہوتی تھی کہ بڑا مولوی بڑی کتابیں پڑھاتا ہے۔ حضرت خوش ہوئے کہ عظیم معرفت نصیب ہوئی۔

پھر شیخ نے حکم دیا کہ اب قاعدہ بغدادی چھوٹے بچوں کو پڑھانا شروع کردو۔ کہتے ہیں بڑی کتابیں پڑھانا چھوڑنے سے زیادہ قاعدہ بغدادی پڑھانے سے تکلیف محسوس ہوئی اور ساتھ یہ آگاہی بھی ہوئی کہ اگر کتاب اور قاعدہ دونوں دین کی خدمت ہیں تو قاعدہ پڑھانے سے تکلیف کیوں ہوئی؟

نہیں ہونی چاہئے تھی کیونکہ دونوں دینی کام ہیں ۔ اس پر شیخ اور خوش ہوئے کہ مزید معرفت کے دروازے کھلے ۔تھوڑے عرصے بعد جب مجاہدہ مکمل ہوا تو خطبہ، درس، فتوٰی سب چیزوں کی اجازت مرحمت فرمادی۔

برگِ سبز میں انہیں کے حالات ہیں جو حضرت مولانا عبدالکریم صاحب کے قلم سے ہیں۔ حضرت نے روایتی سوانح عمری نہیں لکھی بلکہ اُن کی زندگی کے خاص خاص سبق آموز واقعات اور اُن واقعات کی روشنی میں اہم اصلاحی، علمی اور معرفت کے نکتے بیان کئے ہیں۔ پڑھائی کے لحاظ سے کتاب انتہائی دلچسپ اور اصلاحی اور روحانی لحاظ سے انتہائی مفید ہوگئی ہے۔

قاضی صاحب عمر کے اس دور سے گزر رہے ہیں کہ ایک عرصہ دراز مشائخ کی خدمت میں رہ کر نیز تدریس کرتے کرتے اور مزید یہ کہ مسلسل روحانی مجاہدات سے گزر کر اس حال کو پہنچے ہوئے ہیں کہ قرآنی علوم، حدیث کے حقائق اور مشائخ کے معارف اُن کے اندر رَچ بس چکے ہیں۔ ایسے حضرات کا ایک ایک جملہ اور جملے کا ایک ایک حرف اپنے اندر علوم و معارف لئے ہوتا ہے۔ برگِ سبز کی تحریر اس حقیقت کا پورا مظہر ہے۔

برگ سبز کے سرورق کو دیکھیں تو حسن کے لحاظ سے باغ و بہار کا منظر پیش ہو رہا ہے اور اندر عبدالقیوم حقانی صاحب کے پیش لفظ کو دیکھیں تو گل وگلزار کے رنگ و بو سے منور و معطر ہے۔ جب کہ اصل کتاب اپنے اندر سورج کی چمک اور چاند کی ٹھنڈک لئے ہوئے ہے۔ حقانی صاحب کے ایک اقتباس اور کلاچوی صاحب کے ایک صفحہ کو لکھے بغیر چین نہیں آ رہا۔

(اقتباس حقانی صاحب) ''جب ہم صوفیائے کرام کی محافل و مجالس کے بارے میں کچھ پڑھتے اور اُن کے ملفوظات کا مطالعہ کرتے ہیں تو اُن کی محفل اور مجلس ایسا چمنستان نظر آتی ہے جس میں ہر گل اپنا رنگ اور اپنی مہک رکھتا ہے ۔ جس کا رنگ آنکھوں کو سرور بخشتا اور مشامِ جان کو معطر رکھتا ہے۔ جب بزرگوں کی محفلیں عروج پر پہنچتیں تو دلکش مثالوں اور حکایتوں کے ساتھ ساتھ زندگی کے عمیق ترین حقائق چٹکیوں میں حل ہوتے جاتے ۔ محفل پر کبھی جذب وجنون طاری ہوتا، کبھی عقل وخرد کی جلوہ آرائی، کبھی ایمان وعرفان کی اور کبھی جنت کی شادابیوں کا ذکر اور کبھی جہنم کی وادیوں کا تذکرہ، محفل میں رحمت

وشفقتِ حق کا ذکر آتا تو چہرے تمتما اُٹھتے ۔ عذاب وعتاب کی بات چلتی تو آنسوؤں کی جھڑیاں لگ جاتیں، احترامِ انسانیت کا موضوع چھڑتا تو موتی لُٹتے ،تعلیم آدمیت کا مسئلہ آتا تو دریا بہتے ،خدا کے عدل پر لب کشائی ہوتی تو چیخیں نکل جاتیں، اُس کے فضل پر زبان کھلتی تو باچھیں کھل جاتیں ، غیرتِ فقر کا مضمون نوکِ زبان ہوتا تو بوریا نشینوں اور خرقہ پوشوں کے سر میں سکندر کا دماغ آجاتا ،خدمتِ خلق کی بحث نطق آشنا ہوتی تو پندار ونا موس کے آبگینے چھنا کے سے ٹوٹ جاتے ۔''مع اللہ'' کا تصور پیش ہوتا تو درمیان میں سے مخلوق نکل جاتی ،''مع الخلق'' پر اظہارِ خیال ہوتا تو نفس غائب ہوجاتا ۔''

(اقتباس کلاچوی صاحب)''صلحاءِ اُمت کے اُٹھ جانے کا غم افزا پہلو یہ ہے کہ اُن کی وفات سے فتن بالخصوص فتنِ دینیہ میں اُمت مبتلا ہونے کا اندیشہ ہونے لگتا ہے۔ عام طور پر دلائل کے انبار سے بھی ایک آدھ آدمی کو راہِ راست پر لانا مشکل ہوجاتا ہے مگر اللہ والوں کا نام سنتے اور ان سے آنکھیں دو چار ہوتے ہی وساوس اور شبہات کا قافلہ جاتا ہے اور قلب دولتِ ایمان سے معمور ہونے لگتا ہے۔ ولنعم قیل

ے　اے لقاءِ تو جوابِ ہر سوال
مشکل از تو حل شود بے قیل وقال

ترجمہ: آپ (ولی اللہ) کی ملاقات ہی ہر سوال کا جواب ہوجاتا ہے اور گفتگو کئے بغیر مشکلات آسان ہوجاتی ہیں۔

پھر اللہ تعالیٰ نے انہیں علمِ عمیق سے نوازا ہوتا ہے۔ واعمقھم علماً جو صحابہ کرام علیھم الرضوان کی شان تھی اُس دولت سے انہیں بھی ایک حصہ ملا ہوتا ہے جس کے باعث ''یخٰدعون اللہ والذین آمنوا'' والی جماعت کہ خدع اور فریب کو اول نظر ہی میں سمجھ جاتے ہیں جیسے ہیچمدان و شما طالب علم اور مدعیان فہم و نظر متعلمین بعد از خرابی بسیار بھی بصد مشکل محسوس کر سکتے ہیں''

یہ کتاب ہر صاحبِ دل کے کتب خانے میں ہونی چاہیئے۔

ملنے کا پتہ: مولانا سید محمد حقانی، جامعہ ابو ہریرہؓ، خالق آباد برانچ پوسٹ آفس ،نوشہرہ، صوبہ سرحد۔

۲۔　قرآن کا معجزہ:

جناب پروفیسر ڈاکٹر محمد سید الحسنات صاحب کی طرف سے کتاب ''قرآن کا معجزہ'' عطا ہوئی۔ یہ محمد متولی الشعراوی کی عربی تصنیف ''معجزۃ القرآن'' کا اردو ترجمہ ہے جو حسنات صاحب (پی۔ایچ۔ڈی عربی) نے کیا ہے۔ کتاب لاجواب تحریر ہے۔ یہ خاص نکتہ کہ قرآن کا معجزہ جاری وساری ہے، نہ صرف یہ کہ اُس وقت ظاہر ہوا، موجود لوگوں نے دیکھا اور آنے والے لوگوں کے لئے صرف خبر رہ گئی چاہے تصدیق کریں یا نہ کریں بلکہ اس کے چیلنج اُس وقت سے لے کر قیامت تک موجود ہیں جو جواب کے منتظر ہیں اور منتظر رہیں گے۔ ایک خاص الخاص بات یہ کہ آئندہ نسلوں کے ادوار کی اس نے جو پیشن گوئیاں کی ہیں اور جدید سائنس کی نازک باتوں کو چھوا ہے تو اس سے آئندہ نسلوں کو ان کے دور کے مطابق معجزہ کا سامان مہیا کر رہا ہے اور کرتا رہے گا۔ قرآنی علام کا شوق وشغف رکھنے والوں کے لئے نادر تحفہ ہے۔ اسے پڑھے بغیر چین نہیں لینا چاہئے۔

چند باتیں عرض ہیں۔ ایک یہ کہ پشتو بولنے والوں سے مذکر مؤنث، واحد جمع اور اردو گرائمر کے دوسرے قواعد کی غلطیاں رہ جاتی ہیں۔ اس لئے کسی اردو اہلِ زبان سے پڑھوا کر درست (پروف ریڈنگ) کروانا چاہئے یا جس کی مادری زبان ہندکو یا پنجابی ہو کیونکہ اِن زبانوں کے واحد جمع، مذکر مؤنث، نیز گرائمر کے قواعد اردو کی طرح ہیں۔ یہ غلطیاں دور ہو جانے سے کتاب کی حسن میں اضافہ ہو جاتا ہے۔

صفحہ ۳۲ سطر ۹ پر ایک فروگذاشت رہ گئی ہے۔ لکھا ہے ''موسیٰ علیہ السلام کو جادو کی طاقت دی پس وہ ساحروں پر غالب آگئے۔'' جادو ایک باطل علم ہے جس کی بعض صورتیں کفر اور بعض گناہِ کبیرہ ہیں۔ جادو پیغمبروں اور صالح افراد کے ذریعے نہیں چلتا۔ چنانچہ جب سلیمان علیہ السلام کہ دور میں جادو کا رَد کرنے کی نوبت آئی تو بجائے سلیمان علیہ السلام کے دو فرشتوں ہاروت و ماروت کو بشکلِ انسانی بھیجا گیا تا کہ معجزہ اور جادو میں التباس نہ ہو جائے۔ اصل کتاب کو دیکھنا چاہئے اگر وہاں بھی اسی طرح ہو تو اس فروگذاشت کے بارے میں بنیادی مصنف اور ادارے کو آگاہ کرنا چاہئے کیونکہ مصنف گہرے علم اور پختہ سوچ کے حامل ہیں، اس نکتہ کی قدر کریں گے۔

بہر حال کتاب بحیثیتِ مجموعی قرآنی خدمات کے سلسلہ کی انتہائی اہم پیش رفت ہے۔ اہل ذوق کی لائبریری اس سے خالی نہیں ہونی چاہئے۔

اللہ تعالیٰ اس کتاب کو جناب پروفیسر محمد سید الحسنات صاحب کے لئے اور جناب ڈاکٹر محمد اقبال صاحب صدر انجمنِ خدام القرآن صوبہ سرحد کے لئے آخرت کا سرمایہ بنائے۔ ہر دو حضرات بہت مبارکباد کے مستحق ہیں۔

اکابر علمائے دیوبند کی تواضع (پندرہویں قسط)

(مفتی فدا محمد صاحب، دار العلوم جامعہ رحمانیہ مینئی، صوابی)

حضرت سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ کی تواضع (پیدائش ۱۸۹۱ء وفات ۲۲ اگست ۱۹۶۱ء)

یہ ۱۹۳۹ء کی بات ہے کہ حضرت امیر شریعت مجلس احرار کے دفتر میں تشریف فرما تھے، جب وہ نیچے سے اوپر آنے لگے تو بھنگی اوپر سے گندگی لے کر نیچے آرہا تھا، سیڑھیوں کے درمیان دونوں میں مڈبھیڑ ہوگئی، بھنگی سمٹ کر دیوار سے لگ گیا کہ شاہ جی آسانی سے گذر سکیں، جب اللہ کے ولی ک۵ نظر بھنگی پر پڑی تو اس نے کہا کہ یہ ٹوکری نیچے رکھ کر اوپر آجاؤ اور میری ایک بات سن جاؤ۔ بھنگی ٹوکری نیچے رکھ کر اوپر آیا اور شاہ صاحب سے کہا میرے لیے کیا حکم ہے! شاہ جی نے فرمایا یہ صابن لو اور ہاتھ منہ دھو کر میرے پاس آجاؤ، بھنگی نے ایسا ہی کیا، شاہ جی نے اسے اپنے پاس بٹھایا، کھانا منگوایا اور لقمہ توڑ کر سالن میں ڈبو دیا اور اس کے منہ میں ڈال دیا۔ اور پھر اس سے کہا کہ ایک لقمہ تم توڑ کر سالن میں لگاؤ اور میرے منہ میں ڈال دو۔ وہ بھنگی بڑی حیرانگی سے شاہ جی کی طرف دیکھنے لگا، شاہ صاحب نے فرمایا بھائی انسان ہونے کے ناطے آپ میں اور مجھ میں کیا فرق ہے! گندگی اٹھانا ہمارا کام ہے تم اس مکان کی گندگی صاف کر رہے ہو اور میں پوری قوم کی گندگی صاف کر رہا ہوں۔ اس نے لقمہ اٹھایا اور شاہ صاحب کے منہ میں ڈال دیا اور کہا شاہ جی یہیں بیٹھے رہیں۔ وہ گھر گیا اور بیوی بچوں کو ساتھ لے کر آیا اور کہنے لگا، ''اگر یہی اسلام ہے تو پھر ہم سب کو مسلمان کر دو''۔ شاہ صاحب نے سب کو کلمہ پڑھایا اور مسلمان کیا۔ جب یہ مرا تو اس کا جنازہ بھی دفتر سے اٹھایا گیا۔ اخلاق اور تواضع ایسی موثر قوت ہے کہ جس کو چاہیں اپنا بنالیں۔ (تحریک کشمیر سے تحریکِ ختم نبوت تک، ص ۴۳)

حضرت مفتی کفایت اللہؒ کی تواضع (پیدائش ۱۸۷۵ء وفات ۳۱ دسمبر ۱۹۵۳ء)

حضرت مولانا منظور نعمانیؒ فرماتے ہیں، میں حضرت مفتی صاحب کی عملی عظمت کا پوری طرح قائل ہونے کے باوجود ان کے دوسرے قسم کے کمالات سے ہمیشہ متاثر رہا۔ ان میں سے جس کمال کا نقش میرے دل پر سب سے گہرا ہے وہ ان کی بے انتہا تواضع اور بے نفسی ہے۔ اس بارے میں اس عاجز کا جو تأثر اور احساس ہے اس کے اظہار کے لیے میرے پاس الفاظ نہیں ہیں، بس یہی کہہ سکتا ہوں کہ اللہ

تعالیٰ نے ان کو جتنی بلندیاں عطا فرمائی تھیں وہ اتنے متواضع اور بے نفس تھے، ان سے ملنے والے ان کے کسی نیاز مند نے بھی کبھی محسوس نہیں کیا ہوگا کہ وہ اپنے کو کچھ بھی سمجھتے ہیں۔ بعض اوقات اپنے سے بہت چھوٹوں کے ساتھ اس طرح پیش آتے اور ایسا معاملہ کرتے کہ انھیں شرم آتی۔ اس عاجز نے اس مقام کی کسی شخصیت میں کبھی اس درجہ کی تواضع نہیں دیکھی۔ (الجمعیۃ کا مفتی اعظم نمبر)

حضرت مولانا حفیظ الرحمٰن واصف صاحب فرماتے ہیں، اہل حاجت اور مستفتی لوگوں کے ساتھ آپ کا طرز عمل یہ تھا کہ بسا اوقات رات کے بارہ اور ایک بجے لوگ لینے آتے تھے، آپ بستر استراحت سے خود اٹھ کر تشریف لاتے اور پیشانی پر بل بھی نہ آتا۔ آپ کے ایک شاگرد مولوی محمد فاروق کہتے ہیں کہ ایک روز مدرسہ امینیہ سے واپسی کے دوران کاٹھ کے پُل پر ایک صاحب ملے اور کہنے لگے کہ حضرت مجھے ایک ضروری فتویٰ لینا تھا، حضرت مفتی صاحب نے ان سے استفتاء لیا اور کمپنی باغ کے دروازہ کے سامنے پٹرول پمپ کے پاس ایک چارپائی پر اجازت لے کر بیٹھ گئے اور استفتاء کا جواب لکھ کر اسی وقت ان کے حوالہ کر دیا۔

یہ چیز ان کی فطرت میں داخل تھی کہ آپ کسی ملاقاتی کو انتظار کی زحمت نہیں دیتے تھے۔ ایک مرتبہ کا نہیں ہزاروں مرتبہ کا تجربہ ہے کہ کھانا کھانے کے دوران اگر کوئی آجاتا تو آپ کھانا چھوڑ دیتے تھے اور جا کر ملاقات کرتے تھے اور اگر استفتاء لے کر آتا تو فتویٰ بھی لکھ دیتے تھے۔ غرضیکہ فتویٰ لینے کے لیے کوئی خاص وقت کبھی مقرر نہیں کیا، چوبیس گھنٹے اور آرام و راحت حتّٰی کہ پوری زندگی افتاء اور اہل حاجت کے لیے وقف کر رکھی تھی۔ (الجمعیۃ کا مفتی اعظم نمبر)

سحبان الہند حضرت مولانا احمد سعید صاحب رقمطراز ہیں، قیدیوں کے پھٹے ہوئے کپڑے عام طور پر حضرت مفتی اعظم خود ہی سیا کرتے تھے، جو قیدی آیا اس کا پائجامہ کرتا دیکھا تو اس سے فرمایا لاؤ تمہارا کرتہ درست کر دوں۔ جو جیل سے رہا ہو کر جاتا اس کے لیے قصیدہ لکھا جاتا، حضرت مفتی صاحب کی اصلاح کے بعد اس کو پڑھ کر سنایا جاتا۔

یہ پھٹے ہوئے کپڑوں کا سینا صرف سیاسی قیدیوں کے ساتھ خاص نہیں تھا بلکہ اخلاقی قیدیوں کے کپڑے بھی سیا کرتے تھے۔ اخلاقی قیدیوں میں سے اگر کسی کا کرتہ یا پائجامہ پھٹ جاتا تھا تو وہ سیدھا

حضرت مفتی صاحب کی کوٹھڑی میں پہنچ جاتا تھا، حضرت مفتی صاحب کا یہی مشغلہ ہوا کرتا تھا۔

حضرت جمیل الدّین دہلویؒ لکھتے ہیں، میرے دل میں ایک امنگ پیدا ہوئی کہ مفتی صاحب سے ملاقات کی جائے۔ اس وقت نہ تو آپ کے مکان کا علم تھا اور نہ ہی یہ معلوم تھا کہ آپ کا مرتبہ کتنا بلند ہے، ہاں صرف اتنا معلوم تھا کہ آپ ''تعلیم الاسلام'' کے مصنف ہیں۔ آخر دو سال بعد وہ وقت آیا جب میری یہ آرزو پوری ہوئی۔ میں ۱۹۴۸ء میں ایک کام کی غرض سے آپ سے ملنے گیا اور آپ کو مکان پر آواز دی، اس وقت میرے دل میں اس قسم کے خیالات پیدا ہو رہے تھے کہ نہ معلوم آپ کیسے ہوں گے، آپ کے ہاں کی محفل کیسی ہوگی، آپ کا رعب و دبدبہ کتنا ہوگا! لیکن اس وقت میری حیرانی کی کوئی حد نہ رہی جب آپ باہر تشریف لائے، آپ کا لباس نہایت ہی معمولی سفید رنگ کا تھا، سر پر ٹوپی اور پاؤں میں کھڑاویں تھیں۔ اس حلیے میں دیکھ کر میں بیوقوف یہ سمجھا کہ آپ مفتی صاحب کے ملازم ہیں اور ان سے کہا کہ کیا مفتی صاحب اندر تشریف فرما ہیں؟ آپ نے فرمایا کہ فرمایئے کیا کام ہے؟ تب میں سمجھا کہ آپ ہی مفتی صاحب ہیں۔ میں سوچ رہا تھا کہ اتنی بڑی حیثیت کا آدمی جس کی شہرت کے ڈنکے دنیا میں بج رہے ہوں اور جس کا نام دنیا عزت سے لیتی ہو اتنی سادگی سے زندگی بسر کرسکتا ہے، جبکہ انسان ذراسی قابلیت سے مغرور ہو جاتا ہے اور اپنے آپ کو نجانے کتنا بلند سمجھنے لگتا ہے اور نہایت رعب اور دبدبے کے ساتھ زندگی بسر کرتا ہے۔ اس واقعہ سے میں بہت متاثر ہوا۔

حضرت احمد علی لاہوریؒ لکھتے ہیں، نیو سنٹرل جیل ملتان میں فجر کی نماز کے بعد میں جیل خانے کی بالائی منزل پر ٹہل رہا تھا، احرار کے کشمیری ایجی ٹیشن کا ایک قیدی جو بی کلاس میں تھا ڈاڑھی منڈایا کرتا تھا اور نماز نہیں پڑھتا تھا۔ میں کیا دیکھتا ہوں کہ وہ چارپائی پر بیٹھا ہوا ہے، اُس کے سر میں درد تھا اور مفتی صاحب اس کا سر دبا رہے ہیں۔ ہندوستان کے مفتی اعظم کا یہ واقعہ میرے لیے حیران کن تھا اور آپ کے اخلاقِ عالیہ، تواضع اور بے نفسی کا ایک بہترین نظارہ تھا۔

(جاری ہے)

☆☆☆☆☆☆☆

کارگزاری

سیدی و مرشدی حضرت ڈاکٹر صاحب،

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ !

بہت دنوں سے خط لکھنے کا ارادہ تھا لیکن ہجومِ افکار کی وجہ سے نہ لکھ پاتا۔

مدرسہ کے حالات:

تین، چار مہینے پہلے مولوی صاحبان اور تمام طلباء کے بغاوت کی وجہ سے طبیعت پر بہت اثرات پڑے تھے کیونکہ اپنے مدرسے کو کامیاب بنانے کے سلسلے میں جو چار، پانچ سال شبانہ روز محنت کی تھی وہ نہ صرف ضائع بلکہ دوسروں کی گود میں جاتی ہوئی نظر آئی اور دوسری وجہ اپنے سلسلے کے پھیلانے کے لئے جو دو سال محنت وکوششیں کی تھیں اُن کو ظاہری نقصان پہنچنے کا ڈر تھا۔ اب ہونا تو یہ چاہئے تھا کہ میں بھی ان مولوی صاحبان کے خلاف ایکشن لیتا کیونکہ انہوں نے تو مجھے اور مدرسے کو تباہی کے دھانے پر لا کھڑا کیا تھا (اور اب بھی انکی کوششیں جاری ہیں) لیکن میں ایسا نہ کر سکا جس کی چند ایک وجوہات مندرجہ ذیل ہیں:

۱۔ اپنے سلسلے اور آپ کے قیمتی ہدایات اور ملفوظات کا فیض تھا۔ آپ نے غزالی رسالے میں چترال کے اجتماع کے بعد آغا خانیوں کے اسلام میں داخلے کا سب سے بڑا سبب وہاں کے ایک بزرگ حاجی فضل الرحمٰن صاحب کی عدم تکرار اور عدم جدال (ٹکراؤ) والی پالیسی بیان کی تھی۔ اگر میں بھی اُسی طرح کرتا جس طرح ان مولوی صاحبان نے کیا تھا تو پھر اس سے بھی زیادہ نقصان پہنچنے کا اندیشہ تھا۔

۲۔ ایک دفعہ آپ نے بذریعہ سہیل صاحب پیغام بھجوایا تھا کہ مدرسہ چلانا مقصود نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی رضا مقصود ہے۔ اس ارشاد سے ڈھارس بندھ گئی اور اپنی نیت کو درست کرنے کی کوشش کرتا رہا۔

۳۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ بیانات بند کردو۔ اُس کے فوائد اب ظاہر ہو رہے ہیں۔ اگر اُس وقت بیان بند نہ کرتا تو ان مولوی صاحبان کے منفی پروپیگنڈے کی وجہ سے لوگوں کی نفرت اور بڑھ جاتی

لیکن بیانات نہ ہونے کی وجہ سے ایسا نہ ہوا۔اب دوبارہ لوگوں کی طرف سے بیانات کا مطالبہ شروع ہو چکا ہے۔اس کے علاوہ بیانات کی بندش کی وجہ سے مدرسہ کی کامیابی کی طرف زیادہ یکسوئی نصیب ہوئی۔

۴۔ ایک دفعہ آپ نے سہیل صاحب سے فرمایا کہ عزیز احمد کے پاس صرف مخلص طلباء رہ گئے۔ اس بات کی افادیت آج ظاہر ہورہی ہے جوکہ آئندہ سطور میں ذکر کررہا ہوں۔

موجودہ حالات:

آپ کی خصوصی دعاؤں اورتوجہ کی وجہ سے مدرسہ ایک بار پھر کامیابی کی طرف گامزن ہے۔ ہم سے دو مکمل حافظ طلباء چلے گئے تھے۔اب اللہ تعالیٰ نے چار حفظ عطا فرمائے ہیں جوکہ مدرسہ کے لئے آئے ہیں۔ ہماری مدرسہ میں پہلے چھ طلباء مقیم تھے اب اللہ کے فضل وکرم سے بارہ طلباء مقیم ہیں۔ چھ کا تعلق مردان سٹی سے ہے اور چھ کا تعلق دیر سے ہے۔ مدرسہ کے ہونہار طالبعلم حافظ سلمان نے دور مکمل کرلیا ہے اوراب اُسے میں نے ناظرہ کی کلاس حوالہ کردی ہے۔ اُس کا بڑا بھائی وقار (جو آپ سے بیعت بھی ہے) نورانی قاعدہ کی کلاس لے رہا ہے۔ ماشاءاللہ بہت استعداد والا ہے۔طالب علم حافظ محمد طلحہ صاحب جو جہلم کے کسی مدرسہ سے حفظ اور دور کرچکا ہے وہ بھی حفظ اور ناظرہ کی کلاسیں لے رہا ہے۔ (یہ بھی آپ سے بیعت ہے)۔

مجلس ذکر جو کہ چند ہفتے نہ ہوسکی تھی اب الحمدللہ دوبارہ جمعہ کی رات کو ہوتی ہے جس میں کتاب سے تعلیم ہوتی ہے اوراس کے بعد ذکر ہوتا ہے۔

ہمارے لوندخوڑ کا سالانہ اجتماع عموماً نومبر میں ہوتا ہے اس کے لئے تیاری ابھی سے شروع کردی ہے۔ انشاءاللہ اس میں حفظ اور ناظرہ کے طلباء کی دستار بندی بھی ہوگی۔ سلسلہ کے لئے دوبارہ ایک نئے سرے سے کوشش شروع کی ہے۔خود تو بہت کمزور ہوں لیکن ادارے کے بعض طلباء آپ کی توجہ کے اثرات کی وجہ سے بہت تقویٰ والے ہیں۔وقار روزانہ ۹ تا ۱۰ ایک گھنٹہ ذکراوردعا کے لئے پابندی سے دیتا ہے۔حافظ محمد طلحہ اشراق کے وقت ایک گھنٹہ دیتا ہے۔اسی طرح جو سنجیدہ طلباء ہیں باری باری ذکر کے لئے وقت دیتے ہیں۔اور سلسلے کی کتب اور غزالی سے تعلیم ہوتی رہتی ہے۔

آپ کے احکامات اورخصوصی ہدایات اور دعاؤں کا منتظر

آپ کا خادم،

عزیز احمد۔

جواب از ڈاکٹر فدا محمد صاحب دامت برکاتہٗ:

آپ کی کارگزاری سے دل خوش ہوا۔ **الھم زد فزد.** جتنا کام کریں گے اُتنا تجربہ بڑھے گا اور راستے کھلیں گے۔ یہاں آپ کے لئے مسلسل دعائیں ہوتی ہیں۔

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ o

یَا مُصَوِّرُیَا مُصَوِّرُیَا مُصَوِّرُو لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ سُلٰلَۃٍ مِّنْ طِیْنٍ o ثُمَّ جَعَلْنٰہُ نُطْفَۃً فِیْ قَرَارٍ مَّکِیْنٍ o ثُمَّ خَلَقْنَا النُّطْفَۃَ عَلَقَۃً فَخَلَقْنَا الْعَلَقَۃَ مُضْغَۃً فَخَلَقْنَا الْمُضْغَۃَ عِظٰمًا فَکَسَوْنَا الْعِظٰمَ لَحْمًا ق ثُمَّ اَنْشَئْنٰہُ خَلْقًا اٰخَرَ فَتَبٰرَکَ اللّٰہُ اَحْسَنُ الْخَالِقِیْنَ o رَبِّ ھَبْ لِیْ مِنَ الصّٰلِحِیْنَ o رَبِّ لَا تَذَرْنِیْ فَرْدًا وَّ اَنْتَ خَیْرُ الْوَارِثِیْنَ o رَبِّ ھَبْ لِیْ مِنْ لَّدُنْکَ ذُرِّیَّۃً طَیِّبَۃً ط اِنَّکَ سَمِیْعُ الدُّعَاءِ ط یَھَبُ لِمَنْ یَّشَآءُ اِنٰثًا وَّیَھَبُ لِمَنْ یَّشَآءُ الذُّکُوْرَا ط اِلٰھِی بِحُرْمَتِ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ

عَلَیْہِ وَسَلَّم وَ اَھْلِ
بَیْتِ الْعِظَّام.

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمo
یَا مُصَوِّرُیَا مُصَوِّرُیَا مُصَوِّرُو لَقَدْ خَلَقْنَاالْاِنْسَانَ مِنْ سُلٰلَۃٍمِّنْ طِیْنٍ oثُمَّ جَعَلْنٰہُ نُطْفَۃً فِیْ قَرَارِمَکِیْنٍ oثُمَّ خَلَقْنَاالنُّطْفَۃَعَلَقَۃًفَخَلَقْنَاالْعَلَقَۃَمُضْغَۃً فَخَلَقْنَاالْمُضْغَۃَعِظٰماًفَکَسَوْنَاعِظٰمَ لَحْماً ق ثُمَّ اَنْشَئْنٰہُ خَلْقاً اٰخَرَفَتَبٰرَکَ اللّٰہُ اَحْسَنُ الْخَالِقِیْن oرَبِّ ھَبْ لِیْ مِنَ الصَّالِحِیْن oرَبِّ لَا تَذَرْنِیْ فَرْدًاوَّ اَنْتَ خَیْرُالْوَارِثِیْن oرَبِّ ھَبْ لِیْ مِنْ لَدُنْکَ ذُرِّیَۃً طَیِّبَۃً ط اِنَّکَ سَمِیْعُ الدُّعَاءِ ط یَھَبُ لِمَنْ یَّشَآءُ اِنٰثاوَّیَھَبُ لِمَنْ یَّشَآءُ الذُّکُوْرًا ط اِلٰھِی بَحُرْمَتِ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم وَ اَھْلِ
بَیْتِ الْعِظَّام.